المبشر
ترتیب کار:
یوسف جلیل

رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۲۹۵

البشیر راولپنڈی

جلد نمبر ۱۷ —————— شمارہ ۷-۱۲

جولائی تا دسمبر ۱۹۷۵ء

مدیر

یوسف جلیل

سالانہ چندہ دس روپے

پروفیسر یوسف جلیل نے فیروز سنز لمیٹڈ پریس سے چھپوا کر
کرسچن سٹڈی سنٹر ۱۲۶-بی مری روڈ راولپنڈی سے
شائع کیا۔

المشیر

مدیر :- یوسف جلیل

سکو پوسٹ :- کرسچن سٹڈی سنٹر ۱۲۶ - بی - مری روڈ ۔۔ راولپنڈی

ادارتی زاویائے نگاہ :- ۱- اس مجلّہ میں شائع ہونے والے مضامین بالخصوص تعلیم و واقفیت کی نظر سے لکھے جائیں گے۔ موضوعات سٹڈی سنٹر کے زاویۂ نگاہ کے مطابق ہوا کریں گے۔ بہرکیف عالمی کلیسیاء کے مخابرات، کتابوں کے تبصرے - اُردو اخبارات سے تراشے اور پاکستانی کلیسیاء کی خبروں کے چھپنے کا امکان ہُوا کرے گا۔

۲- مضامین اُردو، انگریزی دونوں زبانوں میں ہوا کریں گے ۔

۳- مضامین تمام مسیحی کلیساؤں کے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ہوا کریں گے۔ اور پاکستانی ثقافت اور دینی واقفیت کے آئینہ دار ہوا کریں گے۔ اس لئے مناظرانہ، متعصبّانہ اور مبالغانہ مضامین سے گریز کیا جائے گا لیکن ہر قسم کے عالمانہ اور دینی واقفیت میں اضافہ کرنے والے مضامین کا خیر مقدم ہُوا کرے گا۔ خواہ وہ کسی بھی زاویہ نگاہ کے ماتحت لکھے گئے ہوں۔

۴- مضامین اپنے معیار، اپنی مناسبت اور جامعیت کی رو سے اشاعت کے لئے قبول ہوا کریں گے۔ مضمون نگار کے مذہبی عقائد مضامین کی مقبولیت میں کبھی مانع نہ ہوں گے ۔

۵- شائع شدہ مضامین میں پیش کردہ زاویائے نگاہ مضمون نگاروں کے ہُوا کریں گے۔ سٹڈی سنٹر اور مجلس ادارہ کے نہیں

بدلِ اشتراک :- یہ مجلّہ سٹڈی سنٹر کے تمام ارکان کو مُفت بھیجا جایا کرے گا اور وہ اصحاب جو سٹڈی سنٹر کے رُکن نہیں ہوں گے اُن سے مندرجہ ذیل شرح کے مطابق سالانہ چندہ لیا جائے گا۔ تمام چندے ریورنڈ بائرن ایل ہینیز ۱۲۸ سیف اللہ لودھی روڈ کو بھیجے جائیں ۔

پاکستان ـــــــــــ دس روپے سالانہ

طلبائے ـــــــــــ پانچ ۵ روپے سالانہ

فہرست مضامین
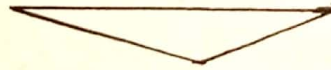
اُردو زبان پاکستانی تہذیب پاکستانی ثقافت اور پاکستانی علم وادب کا آئینہ ہے۔ یہ اس اسلامی معاشرے کی ترجمانی کرتی ہے جس نے برِّصغیر میں جنم لیا۔ یہ اسلامی دینیات کی عکاسی کرتی ہے۔

فارسی کی حلاوت وشیرینی، مٹھاس، لوچ اور نزاکت وحسن ادا اس کا رُخ دلکش ہے۔ عربی کا جلال، شان وشکوہ اور وسعت وسطوت اس کی آوازِ دلربا ہے۔ ہندی کی سادگی اور روانی، شستگی اور ترنّم اس کی رفتار ہے اور پرتگالی وانگریزی کے الفاظ اس کے رخِ انور کے خال اور تل ہیں۔

معجون مرکب ہونے کی وجہ سے وسعت وجامعیت کی شان پیدا ہوگئی ہے۔ اس میں ہر قسم کے خیالات ونظریات بیان کئے جاسکتے ہیں۔ ہر قسم کی تقریر وتحریر کے لئے اس کا دامن بہت وسیع ہے۔ یہ وہ بحر ہے جس کی تہ میں اُونچے اُونچے پہاڑ خوب صورت موتی۔ صدف، گھونگے، مختلف قسم کے نباتات اور قسم قسم کے حیوانات ہیں۔

پاکستان وجود میں آیا تو اُردو کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔ اسے سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ فکر معاش کے سلسلے میں ہندوستانی اور پاکستانی یورپین ممالک میں گئے تو اُردو کو ایک اور میدان ملا۔ انگلینڈ میں کئی اُردو اخبار اور کئی اُردو رسالے شائع ہونے لگے۔ لبعض غیر ممالک کے ریڈیو اسٹیشن خبریں اردو زبان میں نشر کئے گئے۔ یورپ اور امریکہ اور کینیڈا کی لبعض یونیورسٹیوں نے اُردو کو عربی فارسی اور ترکی کی طرح حصولِ اسلامیات کے لئے ضروری خیال کر کے اس کی تعلیم وتدریس شروع کردی۔

ان تمام امور کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ وہ کلیسیا جس کی تشکیل خدا نے ملکِ پاکستان میں کی ہے اس کے افراد پر اُردو میں دسترس وکمال پیدا کرنا کس قدر واجب ولازم ہے۔ زبان کی محبّت ہی ہے جو حبِّ وطن، حبِّ قوم اور حبِّ معاشرہ وتہذیب پر دلالت کرتی ہے۔ استعدادِ زبان ہی ہے جو تبلیغ وبشارت کی ساری راہیں کھول دیتی ہے۔ زبان میں اعلےٰ قابلیت رکھنے ہی سے تقریر وتحریر چمک اُٹھتی ہیں کیونکہ زبان ہی دلکشی، جاذبیت اور حُسن پیدا کرتی ہے۔ زبان جادو ہے اور اعجاز، الفاظ کا تقدم وتاخّر۔ فقروں کی ترکیب وترتیب، صحیح تلفظ اور الفاظ کا حُسن ادا، مضمون کی ادائیگی، آواز کا جوش وخروش اور جملوں کی تراش خراش تقریر وتحریر کو بامِ ثریا تک

تک پہنچا دیتی ہے۔

لیکن اگر مضمون نگار اور تقریر کرنے والے کے پاس کوئی پیغام کوئی مضمون اور کوئی اچھوتا خیال نہ ہو تو آواز کا زیر و بم اور زور و شور اور فقروں کی تراش خراش اور زباندانی کا کمال۔ ڈھپلی کی آواز، نقّال کی چھکار اور خالی ڈھول کی صدائے بے ہنگام ہوگی۔

معلوم ہو کہ مضمون اور تقریر کو اعلےٰ زباندانی اور اچھوتے خیالات اور نئے نظریات کا حامل ہونا چاہیئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ تقریر کرنے والے اور مضمون لکھنے والے کا مطالعہ وسیع ہو اور نفسِ مضمون کے لئے خاص تیاری کرے۔ اس کے ساتھ ہی سامعین اور قارئین کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی ذہنی سطح کو بلند و بالا کریں۔ مطالعہ کے عادی ہوں وہ یہ توقع نہ کریں کہ مضمون نگار بلندی سے اُتر کر ان کی پستی میں در آئے وہ اپنے آپ میں مقرر یا مضمون نگار کو سمجھنے کی قابلیت پیدا کریں۔ ادھر تقریر کرنے والے یا مضمون لکھنے والے پر واجب ہے کہ وہ بلاغت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے سامعین اور قارئین تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ وہ الفاظ کی تراش خراش تلفظ اور حُسنِ صوت پر ہی سارا زور صرف نہ کرے بلکہ موضوع کو حتی الامکان خوب نبھائے۔ ایسا نہ ہو کہ موضوع کے اردگرد ہی گھومتا رہے اور کام کی کوئی بات نہ کہے۔ الغرض تقریر ہو یا مضمون نگاری ہر دو میں زبان اور موضوع کا حسین امتزاج ہونا چاہیئے۔

پاکستان میں مسیحی آزاد ہیں اس لئے آزادی کے ساتھ ساتھ انہیں آزادی کی ساری خوبیاں پیدا کرنا چاہیئے۔ انتشار و افتراق، حسد اور کینہ۔ بددیانتی اور خودغرضی اور فرض کی ادائیگی میں عدم توجہ آزادی کی خصوصیات ہرگز نہیں رفتار و گفتار میں بدسلیقگی اور نشست و برخاست میں بدتمیزی اور اپنی زبان اور اپنے معاشرے کی ترقی میں سستی اور غفلت آزادی کی راہیں نہیں۔ بعض ایسے بھی ہوں گے جو دیدہ و دانستہ غلط اُردو بولیں گے غلط تلفظ ادا کریں گے غلط ضرب الامثال بیان کریں گے تاکہ وہ زیادہ انگریزی دان سمجھے جائیں۔ یہ تمام چیزیں غلامی اور غلامانہ ذہنیت پر دلالت کرتی ہیں۔

مسیحیوں کے پاس اُردو میں جدّتِ خیالات اور جدّتِ بیان کے لئے ایک بیش بہا خزانہ (الکتاب یا بائیبل) موجود ہے۔ صوفیانہ مضامین و شاعری کے اعتبار سے غزل الغزلات ان کی راہنما ہے۔ ناول و افسانہ نویسی کے اعتبار سے روت و آستر ان کے لئے کامل نمونہ ہیں۔ پند و نصائح کے لئے امثال اور جرأت و بہادری کے جذبات بھڑکانے کو جدعون و سمسون ان کے لئے کافی ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو اس بیش بہا خزانے سے استفادہ کرتے ہوئے اُردو میں جدّت و تازگی۔ اچھوتاپن اور حسنِ ادا پیدا کر کے ملکی اتحاد اور آزادی کی راہیں ہموار کر سکتے ہیں۔ آزادی سے یہاں مراد اخلاقی و روحانی آزادی ہے یعنی انسان اتنا بلند ہو جائے کہ تمام صفات اور خوبیاں اور اچھی باتیں اور اچھے اعمال اس سے خود بخود صادر ہونے لگیں۔

بیرونِ پاکستان یا اندرونِ پاکستان منعقد ہونے والی مسیحی کانفرنسوں اور جلسوں میں جو نت نئے نئے نظریات اور خیالات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کی ترجمانی و عکاسی ہمارے یہاں کے رسالوں اور اخباروں میں کی جاسکتی ہے۔ بیرونی

(افریقہ) میں کلیسیاؤں کے موتمرِ عالمی (THE WORLD COUNCIL OF CHURCHES) کے زیرِ قیادت عنقریب منعقد ہونے والی کانفرنس کا موضوع "المسیح آزاد و متحد کرتا ہے۔ چونکہ یہ موضوع شملہ و شبنم کے حالیہ موضوع سے کچھ ہم آہنگی رکھتا ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں ہمارا قلم یہ لکھنے پر مُصر ہے کہ آزادی بغیر اتحاد کے ناممکن ہے۔ سب سے پہلے اتحاد اس سے قائم ہونا چاہیے، جو خدا اور کائنات کے درمیان ذریعۂ واسطہ اور ذریعہ اتحاد ہے یا خدا اور انسان کا درمیانی اور وجہِ اتحاد ہے۔ اس اصلی اور حقیقی وجۂ اتحاد کو چھوڑ کر اگر کسی اور شے کو ذریعۂ اتحاد قرار دیں گے تو ہماری یہ کوشش عبث اور بے کار ثابت ہوگی۔

اور پھر اس وجۂ اتحاد (ربنا المسیح) کی تجلیات تمام کائنات میں جاری و ساری ہیں اس لئے جہاں کہیں بھی کوئی حسنِ حقیقت ہے۔ وہ ہماری اپنی شے ہے اس لئے تمام کائنات، موجودات اور تمام افراد انسانیت کے ساتھ اتحاد ناممکنات میں سے نہیں لیکن مقدم تر یہ بات کہ ہر مسیحی کا اتحاد ربنا المسیح سے ہو۔ ہر مسیحی اس سے وابستہ و پیوستہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا "انگور کا حقیقی درخت میں ہوں۔ جو ڈالی مجھ میں قائم ہو کر پھل نہیں لاتی وہ کاٹ دی جاتی ہے۔ اور جو ڈالی پھل لاتی ہے وہ چھانٹی جاتی ہے تاکہ اور پھل لائے۔ تم مجھ میں قائم رہو اور میں تم میں۔ ڈالی اپنے آپ سے پھل نہیں لا سکتی جب تک وہ انگور کی بیل میں قائم نہ ہو اور اس سے پیوست نہ رہے۔ اسی طرح تم بھی تاوقتیکہ مجھ میں قائم نہ رہو پھل نہیں لا سکتے۔

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ

ممکن نہیں کہ ہری ہو سحابِ بہار سے

ربّنا المسیح سے اتحاد و پیوستگی کا نقطۂ آغاز ایمان ہے جس سے خدا کے ساتھ محبت جنم لیتی ہے لیکن خدا کی محبّت جو ربنا المسیح میں ظاہر ہوئی خدا کی مفت بخشش ہے اس لئے یہ الٰہی محبت خدا کا فضل ہے جس سے انسان نجات یا آزادی حاصل کرتا ہے۔ محبت یا فضل ربّنا المسیح سے اتحاد۔ رفاقت اور شراکت کا تقاضا کرتا ہے۔ محبت کے باعث ربّنا المسیح ہم میں اور ہم اس میں قائم ہوتے اور اس سے پیوست رہتے ہیں اور اس کی رفاقت و شراکت حاصل کرتے ہیں۔ اس اتحاد، پیوستگی اور رفاقت و شراکت سے نئی زندگی، نئی انسانیت، نئی مخلوقیت حاصل ہوتی ہے بگڑی ہوئی طبیعت سدھرتی، مسخ شدہ انسانی فطرت بحال ہوتی، نئی طبیعت ملتی اور نئی سرشت پیدا ہوتی ہے۔

شیخ سعدی نے کہا :-

گلی خوشبوئے در حمام روزی ۔ رسید از دست محبوبی بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ۔ کہ از خوشبوی دلآویز تو مستم

بگفتا من گلی ناچیز بودم ۔ ولیکن مدّتی با گل نشستم

جمال ہمنشیں در من اثر کرد ۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ان اشعار کا مطلب ہے "کسی دوست نے مجھے حمام میں خوشبودار مٹی دی۔ میں نے اس مٹی کو مخاطب کر کے کہا تو مشک

ہے یا کوئی اور خوشبو چیز کیونکہ تیری دلربا خوشبو سے میں مست ہو گیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز و حقیر مٹی تھی لیکن مجھے کچھ عرصہ پھول کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہُوا تو میرے ہم نشیں کا حُسن و جمال اور اس کی خوشبو مجھ میں سرایت کر گئی ورنہ میں اپنی ذات میں ناچیز مٹی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اسی طرح اگر ہم ربّنا المسیح کے ہم نشیں ہو جائیں۔ اس کی رفاقت و شراکت اور اس سے اتحاد و پیوستگی ہمیں حاصل ہو جائے تو اس کی خوشبو ہم میں پیدا ہو جائے۔ اس کی خوبیوں اور اس کی تمام صفات کو ہم پہن لیں اور اس طرح سے ہم نئے انسان بن جائیں۔ نیا انسان اور انسانیت ہی تو دُنیا میں اتحاد اور آزادی پیدا کر سکتے ہیں۔

ربّنا المسیح سے اتحاد کلیسائی اتحاد ملکی اور عالمی اتحاد کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ اتحاد اور یہ پیوستگی اور یہ رفاقت ہی ہماری تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ اسی سے تمام برائیوں سے شفا ملتی ہے۔ اسی سے صلح قائم ہوتی ہے کیونکہ وہی صلح بلکہ صلح کا شہزادہ ہے یہ اتحاد ہی ہے جو جنگ کے خطرات اور سیلاب۔ قحط اور وبا کی تباہ کاریوں کے خوف سے آزادی بخشے گا۔ صرف یہی اتحاد ہمیں آزاد کرے گا تمام ناراستیوں، برائیوں اور گناہوں سے۔ یہ اتحاد تمام کمزوریوں کو قوتوں میں اور تمام خامیوں کو خوبیوں میں بدل دے گا۔ یہ اتحاد ایک نیا انسان اور ایک نئی انسانیت پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ سیاسی تحریکیں، کانفرنسیں، جدید اسلحہ، ایٹم بم وغیرہ اتحاد و آزادی قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ صرف نیا انسان ہی اتحاد و آزادی قائم کر سکتا ہے۔

خارجی اور ظاہری اتحاد و آزادی سے پیشتر باطنی اور داخلی اتحاد و آزادی کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان اپنی بگڑی ہوئی طبیعت کو دُور نہ کرے اتحاد و آزادی محال و ناممکن ہے۔ جو صلح، صلح کا شہزادہ اور سچائی کی روح ہے وہی اتحاد و آزادی قائم کرنے کی قابلیت پیدا کرنے پر قادر ہے آپ کا وعدہ ہے "جب سچائی کی روح تم میں آئے گی تو تم آزاد ہو گے، پس سونے والے جاگ، مُردوں میں سے اُٹھ، مسیح کا نور تجھ پر چمکے گا۔"

آفتاب صداقت (المسیح) ہی تمام بیماریوں سے شفا بخشتا ہے کیونکہ اسی کے پروں میں شفا ہے وہی ہماری عریانی اور ننگے پن کو ڈھانکتا ہے کیونکہ اس کی خوبیاں اور اس کی صفتیں لباس نو ہے۔ تمام مصائب و تکالیف میں وہی ہمارا محافظ، قلعہ اور چٹان اور ہماری پناہ گاہ ہے۔ وہی کلیسائی اور عالمی انتشار کو دُور کر سکتا ہے کیونکہ سراپا محبّت وہی ہے۔ پس آئیے ہم آفتاب صداقت سے کرنیں لے کر انہیں اپنی زندگی کی تاریک راہوں میں بکھیر دیں تاکہ تمام فضائیں جگمگا اُٹھیں "اگر ہم نور میں چلیں جیسے کہ وہ نور میں ہے تو ہماری اس کے ساتھ شراکت ہے اور مسیح یسوع کا خون ہمیں ساری ناراستی سے پاک صاف کرتا ہے"۔ آئیے ہم اسے اپنی زندگی کا مرکز بنائیں کیونکہ اتحاد اور آزادی کی راہیں اسی سے ہموار ہوتی ہیں۔

زبان کی خامی ہو کہ مضمون کی کمی۔ خیالات کی کوتاہی ہو یا معاشرے کے نقائص، خاندانی، کلیسیائی اور عالمی

انتشار وافتراق ہو کہ اخلاقی وروحانی انحطاط وزوال، بے حسی ہو کہ جذبات کا فقدان سب اسی سے متحد ہونے سے دور ہو سکتے ہیں۔ اس کی رفاقت حسن انگیز ہے اور شراکت جاں بخش ۔ اتحاد و آزادی اسی کے دست و بازو ہیں۔

اداریہ کے علاوہ اس شمارے کے اُردو سیکشن میں تین مضمون شامل ہیں جو کلیساؤں کی عالمی مجلس کی نیروبی میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۔ ہم پروفیسر جے۔ ورکل کی کتاب "دورِ حاضرہ میں آزادی کا پیغام" کے تیسرے باب کا اُردو ترجمہ شائع کر رہے ہیں مصنف موصوف ایمسٹرڈم کی فری یونیورسٹی میں مشالوجی کے پروفیسر ہیں۔ آپ نے انڈونیشیا میں ۲۵ برس تک بطور مشنری کام کیا ہے۔ ریورنڈ اصغر الٰہی پال نے ان کی کتاب کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے جسے کرسچئن سٹڈی سنٹر عنقریب ہی چھپوائے گا۔ موضوع کا عنوان ہے "گناہ سے رہائی"۔

۲۔ ریورنڈ جان سلوغپ کا مضمون اس مطالعۂ بائیبل کی عکاسی کرتا ہے جو پاکستان میں طلباء کی مسیحی تحریک (THE STUDENT CHRISTIAN MOVEMENT) مجلس قومی کے لئے انگریزی میں سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ موضوع "یسوع کے معنی آزادی ہیں" کاسمان کی کتاب "یسوع کے معنی آزادی ہیں" سے ماخوذ ہے۔

۳۔ تیسرا مضمون لاہور کے ایک متعلم الٰہیات نے جو نیروبی کانفرنس میں بطور نمائندۂ نوجواناں شریک ہوگا لکھا ہے۔

کب اُلٹے پاؤں لوٹ کے آیا ہے زمانہ؟
سیلِ زماں تو دشتِ گزشتہ میں کھو گیا

صدیوں کی ابتدا میں جو جاری ہوئی تھی جنگ
سالارِ کارواں انہی نقشوں میں کھو گیا

اِک دورِ نَو معیشتِ فردا کی اُلجھنیں
لے کر اُٹھا کہ دردِ تمنّا کا مداوا

ایجادِ نَو سے ماہرِ فکر و عمل کریں
ماضی کی ظلمتوں سے ہو اُمید ہویدا

(عارفؔ)

گُناہ سے رہائی

از قلم :- پروفیسر جے - ورکل

اگر کوئی یہ پوچھے کہ پیغامِ نجات کا مرکزی پہلو کیا ہے تو اس کا مسلّم جواب یہ ہوگا کہ وقت پورا ہوگیا ہے۔ خدا کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ (مرقس ۱ : ۱۵) یہی انجیل کا قلب ہے۔ مسیح نے اپنی آمد، زندگی، موت اور قیامت کے گناہ کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے۔ اس نے گناہوں کی معافی، میل ملاپ اور زندگی کی بنیادی تجدید کے چشمہ کو جاری کردیا ہے۔ اب پیغامِ نجات سب اقوام کے ہر عمر اور حالت کے لوگوں تک پہنچایا جاسکتا ہے یا یوں کہو کہ اسے لے جانا لازمی ہے۔ اب کسی فرد کو گناہ کی غلامی میں رہنے کی ضرورت نہیں یا اب اُسے بدی کے قانون کے تلے رہنا واجب نہیں۔ خدا خود ہمیں معافی اور فضل بخشتا ہے۔ وہ ہمیں بُلاتا ہے کہ ہم توبہ کریں اور ایک نئے نظام کی طرف لوٹیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گناہ، فضل اور تبدیلیٔ زندگی کا مفہوم ہماری پُشت کے لئے بہت کم ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک قابلِ احترام ناقد نے ہمعصر ثقافت پر یہ خامہ فرسائی کی۔

"ایک ایسی دنیا جس میں انسان اپنی آزادی سے دُنیا کو زیادہ ممکن الاثبات اور قابلِ محاسبہ بناتا ہے۔ اس سے متعلق کتابِ مقدس کے الفاظ، فضل اور تبدیلیٔ زندگی کی بہت کم گونج اُٹھتی ہے"۔

ایک اور ناقد نے یہ لکھا ہے :

"دورِ حاضرہ کا انسان ضمیر کے درد کی ٹیس سے اس قدر کُچلا نہیں جاتا جتنا کہ زندگی کے تفکّرات سے اس کا دم ناک میں آجاتا ہے۔ وہ اپنی گنہگاری کے احساس سے نہیں بلکہ لغویت یا بے معنویت یا سونا پن سے گھبراتا ہے"۔

تاہم ہمیں کتابِ مقدس کے ان اہم الفاظ یا ان کے ہم معنی الفاظ کو دبانا نہیں چاہیئے کیونکہ زندگی کے تفکّرات اور ضمیر کی ٹیس اور بے مقصدیت اور حقیقت گناہ و جُرم کے مابین ایک گہرا رشتہ پایا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مصنفین جن کا حوالہ اُوپر دیا گیا ہے میرے ساتھ اس نکتہ پر ہم خیال ہیں۔ آج بھی ہمارے قلوب کی گہرائیوں میں گناہ کا کیچڑ یا غلاظت پائی جاتی ہے۔ آپ ذرا ایسے لوگوں کے بڑھتے ہوئے شمار پر غور کریں جو نفسیاتی کشمکش کا شکار ہیں۔

خلل اعصاب کے مریض اور فساد معاشرہ کے مریض ہے۔ ایچ وان ڈن برگ کی اصطلاح میں "سوشی اٹیکس" (SOCI OTICS) ۔ ایسے اشخاص ہیں جو معاشرے میں دیگر انسانوں سے اپنے تعلقات خراب ہو جانے کے باعث دُکھ سہہ رہے ہیں ۔ مزید براں مذکورہ "سوشی اٹیکس" اے میڈر کے مطابق ایسے لوگ ہیں جو خدا سے اپنے تعلقات منقطع کر کے اذیت میں مبتلا ہیں ۔ اس نکتہ پر بحث کرنا بے سود ہوگا کہ حقیقت گناہ نے اب طرح طرح کے نئے الفاظ کا لبادہ پہن رکھا ہے۔ جب نفسیات کے ماہرین خودکشی کے قومی محرک کا مشاہدہ کرتے ہیں یا وہ ایسوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے تقدیری امور پر پورا نہیں اُترتے یا وہ اپنے مُقدّر کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے تو ایسی صورت میں یہ ماہرین اس کیفیت کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں جسے کتابِ مقدّس کی اصطلاحات میں گناہ کہا گیا ہے۔ گناہ کے لئے کتابِ مقدس کے لاتعداد الفاظ میں سے ایک لفظ کا مطلب "نشانہ خطا کرنا ہے"۔ جب معاشری سائنسدان مختلف زاویوں سے لفظ "بیگانگی یا بُعد" کا تجزیہ کرتے ہیں تو وہ بھی ایسی حالتِ زندگی کی تفہیم حاصل کرتے ہیں جسے کتابِ مقدّس گناہ کے نام سے موسوم کرتی ہے کیونکہ باہمی رابطہ کے ٹوٹ جانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۔گناہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایسے تعلقات کو بروئے کار لانے میں معذور و بے کس ہیں۔

اگرچہ شخصی جرم میں بہت کم ہوشمندی پائی جاتی ہے تاہم اس حقیقتِ گناہ میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ ہمیں جو اس دَور کے لوگ ہیں اس حقیقت سے پیغامِ نجات کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ ہمیں پیٹ بھرنے کے لئے خوراک کی ضرورت ہے۔

احساسِ گناہ ہمیشہ ہی خلل اضطراری کا جذبہ ہوتا ہے۔ یہ ایک آواز بازگشت ہے جو دوسری جانب جواباً آتی ہے جیساکہ بی بیتھورین نے بڑے مؤثر انداز میں اپنے مضمون میں تحریر کیا ہے جو اس نے گناہ اور فضل پر قلمبند کیا ہے ۔

شخصی گناہ سے رہائی

جب کبھی ہم ناصرت کے اس آدمی کی عجیب و غریب زندگی پر غور کرتے ہیں جو اپنی شخصیت میں سچا ابن خدا اور حقیقی ابنِ آدم تھا (جس کے متعلق کسی نے یہ لکھا کہ "مجھے محض شرمساری منع کرتی ہے کہ میں آپ کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ مقابلہ کروں") تو ایسی صورت میں ہم یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہم اس مقام پر نہیں جہاں ہمیں ہونا چاہیئے ۔ پھر ہمارے باطن سے ایک آواز اُٹھتی ہے اور ہم یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہماری انسانیت انانیت یا خود پسندی سے معمور ہے۔ اور ہمارے مقاصدِ حیات محض بُت پرستی کے اڈے ہیں۔ اور ہماری خوبیاں بدکرداریوں کے ساتھ رینگ رہی ہیں، ہماری خُدا پرستی اتحاد و بے دینی سے بھری پڑی ہے اور ہم گنہگار، ملحد اور انانیت پرست و خود غرض انسان ہیں۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم اس خوشخبری کی سماعت کے لئے آئیں اور آج ہی آئیں تاکہ ہمیں معافی، فضل اور عفوِ گناہ بوسیلۂ یسوع مسیح جو واحد نجات دہندہ ہے حاصل ہو۔

دورِ حاضرہ میں مرد و زن احساسِ جرم کھو بیٹھے ہیں یعنی اپنے آپ کو اپنے گناہوں کے لئے مجرم نہیں ٹھہراتے۔ وہ تمام اصولوں کو اتمناعی سمجھتے ہیں۔ یہ نظریہ معاف کرنے اور بھُول جانے کا اندازِ فکر ہے۔ یہ سب پر کھاؤ، پیو اور عیش کرو، کا جذبہ چھپایا ہوا ہے۔ لیکن وہ گناہ جن کے لئے انسان اپنے آپ کو ملزم نہیں ٹھہراتا۔ کبھی بھی معاف نہیں کئے جا سکتے۔ وہ ایک بھاری بھرکم بوجھ بن کر انسان کو دباتے رہتے ہیں۔ یہی ہمارے سارے روحانی اور نفسیاتی بوجھ کا ایک گہرا سبب اور عدم انبساط کا موجب ہے۔

گراہم گرین کے ناولوں میں سے ایک ناول میں ایک شخص کہتا ہے "کاش! کوئی جگہ ہوتی جہاں میں اظہارِ افسوس کر سکتا"۔ میرے خیال میں ایسی جگہ ضرور ہے۔ اس کا نام گلگتہ ہے اور اس شخص کا نام جو وہاں مصلوب ہوا تھا یسوع مسیح ہے۔ اس کے پاس معافی ہے۔ یہ سچی اور حتمی معافی ہے جس کے لئے اُسے صلیب پر اپنی جان کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ یہ معافی بمقابلہ ہماری خود عفو پروری ایک نئی تخلیق ہے۔ یسوع کی معافی رہائی بخش ہے۔ وہ ہمیں نہ صرف اپنا فضل عطا فرماتا ہے بلکہ وہ ہمیں گناہ کی غلامی سے آزاد کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز ہمارے لئے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ ہم توبہ کریں، واپس لوٹیں اور نئے حالاتِ زندگی کے لئے تبدیل ہوں۔ اس کو کتابِ مقدس میں خدا کی بادشاہی کے نام سے پکارا گیا ہے۔

ماضی میں ہم نے عموماً یہ سُنا تھا کہ تبدیلئ زندگی یا لوٹنا انسانی زندگی کا ایک مخصوص لمحہ ہے جس پر انسان بعد ازاں نگاہ واپسیں ڈال سکتا ہے۔ تبدیلئ زندگی کی چند مثالوں کے وسیلے ہماری آنکھوں کے سامنے "تبدیلی کے نمونے" رکھے جاتے ہیں لیکن جب کتابِ مقدس تبدیلئ زندگی کا تذکرہ کرتی ہے تو یہ ایک خاص عمل کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنے آپ کو بار بار دہراتا رہتا ہے۔ یہ عمل ہم پر اس اصول کو متواتر عائد کرتا ہے کہ ہم خدا کی بادشاہی کے لئے اپنی حالت کا دوبارہ جائزہ لیں۔ اس تبدیلی میں روزانہ گناہ کے لئے انکار اور خدا اور پڑوسی کے لئے اقرار یا رضامندی شامل ہے۔ یہ عمل ہمارے خاندانی تعلقات ہم خدمتوں کے ساتھ مراسم اور ہر حالت زندگی میں جاری رہنا چاہیئے۔

گناہ، فضل اور تبدیلئ زندگی سے متعلق پیغامِ نجات کی صدائے بازگشت صدیوں سے گونج رہی ہے کیونکہ لوگوں نے اس کے مفہوم کا تجربہ پا لیا ہے کہ خداوند یسوع مسیح واقعی گناہ کی غلامی سے چھڑاتا ہے لیکن اس پیغام کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کو موجودہ لیشت کے سامنے لانا چاہیئے۔ یہ وہ دن ہے جس دن ہم پہلے سے بہتر طریق سے بالغ ہونے کے مفہوم کو ذہن نشیں کرتے ہیں اور جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اس کے فرض کو محسوس کرتے ہیں۔

گناہ اور فضل سے متعلق پیغامِ نجات اس طریق سے تیار کیا جاتا کہ سامعین کو یہ تاثر ملنے کا امکان ہو جاتا ہے کہ کہ خدا انسانی بلوغت اور فرضِ منصبی کا مخالف ہے لیکن یہ ایک ہولناک غلط فہمی ہے کیونکہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

یسوع مسیح ہمیں کس لئے بچاتا ہے ؟ جواباً عرض ہے کہ وہ ہمیں فرض شناسی کے لئے بچاتا ہے ۔ لہٰذا وہ ہی ہمیں بلوغت کی منزل تک لاتا ہے ۔ اس کی رہائی ہماری بلوغت اور احساسِ فرض کو چھین نہیں لیتی بلکہ یہ اس کے برعکس کام کرتی ہے ۔ یہ ہمارے فرضِ منصبی اور بلوغت کی تصدیق کرتی ہے ۔ یہ انہیں مضبوط کرتی اور قائم کرتی ہے ۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے فرضِ منصبی کو گناہ ، فضل اور مکمل تبدیلی کے پیغام کے بغیر ادا کر سکتے ہیں ۔ ہم پورے یقین کے ساتھ یہ دعوے کر سکتے ہیں کہ خدا مسیح کے وجود میں افراد کو فرض شناسی کے لئے مخلصی دیتا ہے ۔ وہ انسانی ہستی میں تاریخی اقدار پیدا کرتا ہے تاکہ وہ دورِ حاضرہ کو بک بک اور جھک جھک کو استعمال میں لائے ۔ وہ انسان کو بلاتا ہے کہ وہ پھولے پھلے اور سائنسی اور تکنیکی وسائل کو استعمال میں لاکر کائناتِ عالم کو اپنے قابو میں لائے ۔ لیکن یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا ہمیں اس نکتہ کو ذہن نشین کرنے کے لئے زیادہ بصیرت کی ضرورت نہیں کہ جب ہم اپنی بلوغت کا اظہار کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے فرض کو عملی جامہ پہناتے ہیں تو ہم عموماً ان برکات کو غلط طریق سے استعمال میں لاتے ہیں اور قطعی غیر جانبداری سے عمل کرتے ہیں ۔ انسان بننے سے مراد ضرورت مند بننا ہے ۔ انسان بننے کا مطلب حقیر و ذلیل ہوتا ہے ۔ ہم اس حالت میں نہیں کہ جس حالت میں ہمیں ہونا چاہیئے ۔ یہ باتیں بہت عرصہ پہلے درست تھیں جب لوگ کائنات کی قوتوں کے بہت زیادہ غلام تھے ۔ یہ باتیں آج بھی اور زیادہ طور سے درست ہیں ۔ اب جبکہ انسان کائنات اور تاریخ پر حکمران ہے وہ اس قوت کو بیحد غیر فطری طور سے استعمال میں لارہا ہے ۔

تکنیکی ترقی کے اس دور میں ہمیں پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ دورِ حاضرہ میں گناہ ، فضل اور تبدیلئ زندگی کا کیا مطلب ہے ؟ ایک وقت تھا جبکہ ہم قدرتی دنیا سے متعلق کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے ۔ اب ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں ۔ لیکن ایک چیز ایسی ہے جسے ہم اپنی لیاقت کے بل بوتے پر نہیں کر سکتے اور وہ یہ ہے کہ ہم محبت نہیں کر سکے ۔ ہم روزانہ اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنا سب تکنیکی علم اور ساری سائنس کو خدا اور انسان کی خدمت میں استعمال کرنے کے لئے رضامند نہیں ایسی حالت زندگی بھی مخلصی دینے والے پیغام کو استعمال میں لانے کی تاکید کرتی ہے ۔ یہ جامع کلمہ کہ "ہم محض صلیب کے نیچے خطرات سے محفوظ ہیں ایسا کلمہ ہے جس کا اطلاق تکنیکی حکومت پر بھی ہے ۔ تکنیکی ماہرین صنعت و حرفت کے عالم سائنس کے رہنما اور منتظمین وغیرہ سب کو مطلع کرنا چاہیئے کہ " خدا کی بادشاہی آ چکی ہے ۔ توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ "۔

ہم میں سے ہر ایک بڑھتے ہوئے فکر کے ساتھ جدید تکنیکی نتائج کا مشاہدہ کر رہا ہے ۔ طویل لاپرواہی کے بعد اب بیداری کا وقت آ چکا ہے ۔ اب ہمیں ایٹمی ، حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار ہوا اور پانی کی آلودگی ، کرۂ ہوائی کی تباہی ، دوا سازانہ پیداوار اور ایسے کئی مسائل کا فکر دامنگیر ہے ۔ ہر زبان و مکان سے یہی درخواست آتی ہے کہ ایسی ترقیوں کا محاسبہ ہونا چاہیئے ۔ ہمارے کانوں میں یہی آواز آتی ہے کہ " ہمیں اپنی رفتار کم کرنی چاہیئے ۔ ہمیں علم و ہنر کی ترقی کے میدان میں اب ترقی کو روک دینا چاہیئے مثلاً ایٹمی ہتھیاروں کا بنانا وغیرہ ۔ اب ہمیں یہ سبق سیکھنا ہے کہ ہم تکنیکی ترقیوں کو اخلاقی معیاروں سے جانچیں ۔ یہ

مسائل فوری ضرورت کے لئے خطرے کی گھنٹی بجا کر ہمیں ان خطرات سے آگاہ کرتے ہیں جو ہماری تکنیکی ترقیوں اور لیاقتوں کے بے ضبط اور بے قابو استعمال سے خطرے کا باعث بن چکی ہیں۔

ان سب حالات میں یہ بے حد ضروری ہے کہ ہم گناہ اور فضل کا تذکرہ کریں اور ہم اپنی لیاقتوں کو، تکنیکی استعمال کو اور سائنس کو تنقیدی آزمائش کے وسیلے ان قوتوں کو درست سمت میں موڑیں اور انہیں خدا اور پڑوسی سے محبّت کرنے کی طرف لائیں۔

معاشرتی گناہوں سے رہائی

جب کبھی عوام کو گناہ، نفس، تبدیلیٔ زندگی اور توبہ کا پیغام سنایا جائے تو یہ لازمی و لابدی ہے کہ ان گناہوں پر خاص زور دیا جائے جو معاشرتی ڈھانچے میں موجود ہیں۔ ان کو بھی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ جب ہم نے ان تبدیلیوں پر بحث کی تھی جو ہماری زندگی کے نظریات میں پیدا ہو رہی ہیں تو ہم نے بہت سے اشارے آزادی کی ان تحریکوں کی طرف کئے تھے جو ہمارے دور کی خصوصیات ہیں۔ ہم سیاسی آزادی کے حصول کے لئے جنگ و جدل پر غور کرتے ہیں۔ ہم نسلی تعلقات میں مساوات کے جھگڑوں پر سوچتے ہیں یا ہم ان لوگوں کی مخالفت پر دھیان دیتے ہیں جو لاطینی امریکہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں امارت کے امکانات تو موجود ہیں لیکن وہاں کے اقتصادی اور سیاسی ڈھانچوں نے انہیں غربت میں دبا رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں دولت مند شمالی امریکہ بھی اس قسم کی مخالفت سے محفوظ نہیں۔ یہاں اوّل درجہ کی شہریت کے حصول کے لئے جنگ جاری ہے جس کی نمائندگی سیاہ فام قوت کی تحریک کے نمائندے کر رہے ہیں مثلاً دیہی تجدید کے لئے کوششیں، ملک گیر مطالبہ کہ عوام کو حکومت کے فیصلوں میں زیادہ شرکت ملنی چاہیئے۔ یہ سب کچھ اس بات کی شہادت ہے کہ معاشرتی ڈھانچوں میں خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

ایسی صورت میں کس طرح پیغامِ مخلصی، گناہ اور فضل کے پیغامات اور سمت کی تبدیلی کا تعلق آزادی کی مذکورہ جنگوں سے ہے؟ مسیحی کلیسیا انجیل کی ترجمانی کرتے وقت اس حقیقت کو بھول گئی تھی کہ اس قسم کا رشتہ کبھی ہو بھی سکتا تھا۔ یہ بھول کتابِ مقدّس کی تعلیمات کے بالکل خلاف تھی کیونکہ عہدِ عتیق کے انبیاء کے تبدیلیٔ زندگی کے پیغامات میں معاشری ڈھانچوں کی بے انصافیاں شامل ہیں جو اقتدار کے استعمال سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً زمین کا استعمال اور تقسیم، اقتدار کا استعمال۔ ابتدائی کلیسیا بنیادی طور سے عدمِ تشدد کی ایک تحریک ہے۔ اس نے نہ صرف ہزاروں لوگوں کو جو ظلم و بدسلوکی کا شکار تھے شخصی آزادی دی بلکہ اس نے بالارادہ اور بلا ارادہ معاشرے کے خراب ڈھانچوں پر حملہ کر دیا۔ ایبح برقاف نے صحیح طور سے یہ انتباہ کیا کہ بیسویں صدی کے اس دوسرے نصف حصہ میں اگر کوئی شخص عالمگیر جسمانی ظاہری نسبت کو مخلصی اور تبدیلی کے اعلان کے سلسلہ میں ہمعصر زندگی میں مدِّنظر نہیں رکھتا تو وہ دورِ حاضرہ میں تبدیلی سے متعلق خدا کی بلاہٹ کے لئے نافرمانبرداری کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔

جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں تبدیلیٔ زندگی کا تعلق ہمیشہ نئے نظام کے ساتھ ہوتا ہے جسے کتابِ مقدس خدا کی بادشاہی کے

نام سے موسوم کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں انصاف نہایت اہم رنگ میں فرمانروائی کرتا ہے۔ پال لوفلر ایک پمفلٹ الموسومہ "اسٹڈی اینکونٹر" میں جسے ورلڈ کونسل نے "دنیاداری اور تبدیلئ زندگی" کے موضوع پر شائع کیا۔ یہ درست ہے کہ کتابِ مقدس میں تبدیلئ زندگی نہ تو ایک خالص انفرادی تجربہ ہے اور نہ ایک خالص روحانی تجربہ۔ تبدیلی اور توبہ کا تعلق "تاریخ کے مکمل مفہوم" سے ہے۔ تبدیلی کی بلاہٹ محض منفرد اشخاص کو نہیں ہوتی بلکہ یہ بلاہٹ اقتصادی اور سیاسی ڈھانچوں اور طریق ہائے عمل کے لئے انصاف بھی ہوتی ہے مخلصی ایک غیر منقسم مکمل حقیقت ہے جو کامل انسان اور کامل معاشرے تک موثر ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم اپنے انفرادی وجودوں کو تلاش کرتے ہیں اور خدا کی طرف واپس لوٹتے ہیں تو اس میں معاشرتی و سیاسی انصاف کے لئے جنگ کرنا بھی شامل ہے۔ پیغامِ مخلصی یا رہائی کی دوبارہ تلاش ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اُن لوگوں کو تلاش کریں جو انسانی وقار کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ہمارے لئے واپس لوٹنے اور بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خیر و شر، انسانیت و ظلم، خدا کی بادشاہی اور تاریکی کی بادشاہی میں سے انتخاب کریں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہمیں احتیاط کے ساتھ انصاف کے واسطے لڑنے کے لئے وسائل کا انتخاب کرنا لازم ہے۔ کیونکہ غیر اخلاقی وسائل ان بلند معیاروں پر نہیں اُتر سکتے جن پر خدا کی بادشاہی مبنی ہے۔

اب میں ان سب باتوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو میں نے پیش کی ہیں :-

گناہوں کے قبضہ سے مخلصی کے پیغام میں ان گناہوں سے بھی مخلصی شامل ہے جو معاشرے کے ڈھانچہ میں پائے جاتے ہیں۔ تبدیلئ زندگی کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں مسیح نجات دہندہ کا انتخاب کرنے کا بُلاوا ہے نیز ہمیں ان لوگوں کی ہمت افزائی کرنا ہے جو اس کی روح سے معمور ہو کر مصروفِ خدمت ہیں اور وہ ان ڈھانچوں کو بدل رہے ہیں جن میں ناانصافیاں اور ظلم و ستم پائے جاتے ہیں۔

رہائی یا مخلصی فیصلے کی دعوت دیتی ہے

یہ شخصی، معاشرتی اور سیاسی آزادی کا ایسا پیغام نہیں جس کے ساتھ 'بلا فرض' کا فقرہ بھی لگا ہو۔ شاید یہ ہماری عینِ حیات میں پورا نہ کیا جاسکے۔ یہ پیغام فیصلوں کا مطالبہ کرتا ہے جنہیں لگاتار مستحکم کرنا لازمی ہے۔ دورِ حاضرہ میں یہ پیغام عدالت یا نجات، فردوس یا جہنم، گناہ میں رہنے یا اس سے آزادی ہونے کے معاملات کا فیصلہ کرتا ہے۔

نبیوں یا رسولوں نے اس پیغام کا اعلان "اسے لے لو یا چھوڑ دو" کی آواز میں نہیں کیا۔ اُنہوں نے بڑی اہمیت کے ساتھ اپنے سامعین کو دعوت دی تھی کہ وہ متانت سے اس فضلِ الٰہی کو قبول کریں جو انہیں مرحمت کیا گیا تھا۔ وہ کبھی بھی عدالتِ الٰہی کے متعلق متنبہ کرنے میں نہیں چوکے تھے جو اس کے بعد آتی ہے جب کوئی اس فضلِ عظیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ تاہم یہ

بات تواتر سے واضح ہے کہ وہ سزا دینے پر مستعد نہیں بلکہ وہ بچانا اور مخلصی دینا چاہتا ہے۔ عہدِ جدید میں ہر قسم کی امثال اور تمثیلات پائی جاتی ہیں۔ خداوند یسوع مسیح ہے اور رسول ہمیں فردوس اور جہنم کی نقشہ سازی پر سبق دینے کی غرض سے ان نقشوں کو استعمال میں نہیں لاتے۔ وہ انہیں پیغام کی قطعی اہمیت دلانے اور فیصلہ کرنے کی آمادگی کے لئے استعمال میں لاتے تھے۔

کتابِ مقدس کا پیغام خدا کی آزادی بخشنے یا مخلصی دینے والی 'ہاں'، کو نسلِ انسانی تک لاتا ہے۔ یہ پیغام گناہوں کی معافی، میل ملاپ پیدا کرتا ہے جو خداوند یسوع مسیح کے وسیلے اب ابھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ پیغام جُدائی کی دیوار کو ڈھا دیتا ہے۔ یہ مخلصی بخشنے والا فضلِ الٰہی ہاں اور نہ کا پیغام نہیں دیتا۔ اس میں خوشی اور خوف کی متلون ملاوٹ نہیں پائی جاتی۔ خدا بنی نوعِ انسان کو مخلصی دینے میں خوش ہوتا ہے۔

ہمارا بلاوا اس بات کا اعلان ہے کہ یہ پیغامِ مخلصی آپ کی طرف سے کسی ردِ عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس پیغام میں بنی نوعِ انسان کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ خدا کی ہاں میں ہاں ملائیں کیونکہ ایسا کرنے سے وہ تاریکی میں بیٹھے نہیں رہیں گے بلکہ وہ خدا کے نور کی جگمگانے والی کرنوں میں قدم ماریں گے۔

ہمارے پاس ایک نجات دہندہ بھی ہے اور نجات بھی۔ یہ پیغامِ مخلصی ہمیں اطاعت اور متواتر پابندی کے لئے دعوت دیتا ہے۔ کتابِ مقدس فرماتی ہے کہ وہ جو مخلصی دہندہ سے نفرت رکھتا ہے وہ گناہ میں رہتا ہے اور تاریکی کو نور سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ یسعیاہ میں ایک اقتباس بڑے موثر طریق سے اس بات کی ترجمانی کرتا ہے کہ اس پیغامِ مخلصی سے خدا کا کیا مقصد ہے؟

”جب تک خداوند مل سکتا ہے اس کے طالب ہو۔ جب تک وہ نزدیک ہے اسے پکارو۔ شریر اپنی راہ کو ترک کرے اور بدکردار اپنے خیالوں کو اور وہ خداوند کی طرف پھرے اور وہ اُس پر رحم کرے گا اور ہمارے خدا کی طرف کیونکہ وہ کثرت سے معاف کرے گا۔“
(یسعیاہ ۵۵ : ۶-۸)

المسیح

ہر پیاسے کے لئے آبِ بقا
ساری دُنیا کے لئے نانِ حیات
معرفت کے سب خزانے تجھ میں ہیں
جلوہ گر تجھ میں خدا کی پاک ذات (عارفؔ)

احساسِ جُرم، ضمیر محبّت اور معافی

از قلم:- ڈاکٹر ایم - اے قیوم ڈسکوی

زندگی ایک مسلسل جدوجہد اور تگ و دو کا نام ہے - ہر جاندار اپنی جان کو برقرار رکھنے کے لئے کوشش کرتا ہے اور کسی حد تک دوسروں کا محتاج ہے - لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے دوسروں سے مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے - اگر ایک آدمی کا فائدہ ہوتا ہے تو کسی دوسرے کا نقصان - حضرت آدم نے اسی لئے نافرمانی کی کہ کسی طرح ان کو برتری حاصل ہو جائے اور ان کے پہلوٹھے قائن نے اپنے بھائی کو رشک و حسد کی وجہ سے قتل کر دیا - اتنے عرصے کے بعد بھی اکثر انسان عام طور پر غیر مہذب اور وحشی ہوتے ہیں - اپنی خواہشات اور ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے لوگ دوسروں پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں ان کو غلام بناتے ہیں اور جاہل رکھ کر ان کا استحصال کرتے ہیں - جائز حقوق اور بنیادی آزادیاں چھین لیتے ہیں تاکہ ان کو فوقیت حاصل ہو - آدمی عورتوں پر اور حاکم محکوموں پر زیادتی کرتے ہیں - بچے اپنے والدین اور والدین اپنے بچوں کے ساتھ کئی طرح کی ناانصافیاں کرتے ہیں - جانوروں پر ظلم تو ہوتا ہی رہتا ہے - لیکن انسان انسان کے لئے درندہ بن جاتا ہے - احساسِ کمتری پیدا کرنا اور تکبر اور استبداد سب ایک ہی بیماری کی علامتیں ہیں - کیونکہ یہ باتیں اس قدر عام ہیں لوگ ان کی طرف دھیان بھی نہیں دیتے - چنانچہ احساسِ جرم عموماً سلب ہو کر رہ جاتا ہے - لیکن انسان میں ایک اور صفت بھی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے کاموں کا جائزہ بھی لیتا رہتا ہے اور کیونکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان حالات کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے برخلاف احتجاج کرتے ہیں تو لوگوں کے دلوں میں اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے ایک نئی امنگ پیدا ہوتی ہے اور زندگی کی تگ و دو کا ایک نیا زاویہ ظاہر ہوتا ہے - جب کوئی انسان قسمت کے بندھن سے چھوٹ کر اپنے آپ کو مساوات کی میزان میں تولتا ہے تو پرانا طرزِ زندگی رد کرنے میں پہلا قدم اٹھاتا ہے اسی طرح منجمد معاشروں میں بھی نئی زندگی حرکت کرنے لگتی ہے اور صدیوں کی محکومی نئی اور بہتر زندگی کے خواب دیکھنے لگتی ہے - اس تمام جدوجہد اور تگ و دو کا نتیجہ لوگوں کے دلوں میں احساسِ جرم پیدا کر کے انصاف، مساوات اور آزادی کی طرف بڑھنے کا تقاضا کرنا ہوتا ہے - اس احساسِ جرم میں ہم سب شریک ہیں کیونکہ ہم سب زندگی کی جنگ

میں معروف ہیں تاہم زندگی کے بوجھ میں سے غیر ضروری اجزا کو نکال دینا بھی ایک قسم کی فتح تصور کی جاتی ہے۔ مثلاً ۱۹۷۵ء دنیا میں سالِ خواتین کہلاتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں کئی عورتیں مسلسل جدوجہد کے بعد کسی حد تک اقتصادی اور سیاسی آزادی حاصل کرچکی ہیں مگر مہذب سے مہذب قوموں میں آج بھی لاکھوں اور کروڑوں عورتوں پر نہایت بھیانک مظالم توڑے جاتے ہیں۔ برعکس اس کے کتنے آدمیوں پر عورتوں کے مظالم کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ کیونکہ انصاف کرنا بے حد مشکل ہے اور اس کا معیار مقرر کرنا تقریباً ناممکن۔ احساس جرم دلانا تعلیم و تربیت سے روشن ضمیر کا کام ہے۔ اور جب تک ظلم کرنے والا اس بات کو نہ سمجھے وہ اپنے رویے کو بدلنے کی کوشش بھی نہیں کرے گا۔ نیز جب تک مظلوم اس ظالمانہ رویے کے برخلاف احتجاجاً اقدام نہ اٹھائے گا ظالم کو اپنا رویہ بدلنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔ اسی لئے انسان کو قانون اور شریعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ قانون وہ حد بندی کرنے کی کوشش ہے جس سے باہمی زندگی میں غلط فہمی اور کھچاؤ کی جگہ مفاہمت اور صلح پیدا ہوجائے اور باہمی زندگی کے کل پرزے روغنِ عقل و شعور سے کھڑ کھڑ کئے بغیر سلاست سے چلتے گھومتے رہیں۔ اس لئے قانون یا شریعت ایک ایسا معیار بن جاتی ہے جو انسانوں کے درمیان ایک عدالتی حیثیت اختیار کرلیتی ہے یعنی جب کسی بات پر اختلاف ہو تو اس معیار سے ناپتے ہیں۔ اس طرح وہ مختلف انسانوں کے لئے مسلمہ اصول بن جاتا ہے اور اس سے انحراف ایک ایسی باطنی حس کو بیدار کرتا ہے جسے ہم ضمیر کہتے ہیں۔ سینیکا ۴ قبل مسیح سے ۶۵ سنِ مسیحی تک جو ایک مشہور رومی فلسفہ دان اور المیہ نویس تھا۔ ضمیر کی یوں تعریف کرتا ہے۔ "وہ ایک ایسی پاکیزہ روح جو ہم میں بستی ہے اور ہمارے نیک و بد اعمال کی محافظ اور پرکھنے والی ہے۔" امثال کی کتاب میں لکھا ہے کہ "انسان کا ضمیر خداوند کا چراغ ہے۔

جو اس کے تمام اندرونی حال کو دریافت کرتا ہے (۲۰/۲۷)۔ ڈاکٹر موفٹ نے اس آیت کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے۔ "وہ انسان کا ضمیر خداوند کا چراغ ہے جو اس کے دل کی گہرائیوں میں چمکتا رہتا ہے۔" سقراط اس کو الٰہی آواز کے مترادف سمجھتا تھا اور اس کا ایمان تھا کہ اس کا ضمیر اس کے ہر اچھے کام کو پسندیدگی سے دیکھتا اور اسے برے کام سے روکتا یا کم از کم آگاہ ضرور کرتا تھا۔ وحشی انسان پر بھی کبھی کبھی ایسی پُراسرار ہیبت چھا جاتی ہے جس سے اس کے دل میں بار بار خیال آتا رہتا ہے کہ "مجھ سے کوئی بُرا کام سرزد ہوا ہے۔" اپوکرفا (پرانے عہد نامے کی غیر ملہم کتابیں) میں حکمت کی کتاب میں لکھا ہے کہ "تمام عالم خداوند کے روح سے معمور ہے اور وہ پشت در پشت نیک دل لوگوں میں سے ہو کر انہیں خدا اور نبیوں کا دوست بنا دیتا ہے۔ (۱/۷، ۷/۲۷)۔ پولوس رسول بھی فرماتے ہیں کہ "جو کچھ خدا کی نسبت معلوم ہو سکتا ہے وہ ان کے باطن میں ظاہر ہے اس لئے کہ خدا نے اس کو ان پر ظاہر کر دیا ہے۔" (رومیوں ۱/۱۹)۔ طرطلیان جو آبائے کلیسیا میں شمار ہوتا ہے یوں رقمطراز ہے "وہ انسانی روح کی یگانگت جو اپنے فکر میں احساس اور احساس میں فکر رکھتی ہے (اور دونوں میں قوتِ ارادہ کو جنم دیتی ہے۔" لیکن ضمیر کو تربیت اور روشنی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ اعلیٰ کو ادنیٰ سے امتیاز

کرکے ادنےٰ کورد کرتا اور ملامت بھی کرتا ہے ۔ اگر اس کا اختیار پہچان کر تسلیم کر لیا جائے تو وہ اور بھی حساس ہوجاتا ہے اور اس کا دائرہ اختیار اور بھی وسیع ہوجاتا ہے لیکن اگر اسے رد کر دیا جائے یا اس کی آواز ان سنی سمجھی جائے تو وہ اپنا حتیٰ اختیار کھو بیٹھتا ہے اور اگر اس کی مسلسل حکم عدولی کی جائے تو وہ بالکل سن یا مردہ ہوجاتا ہے ۔ اسی لئے اگر ہم اپنے اردگرد نظر کریں تو ہم کو مختلف قسم کے شخص ملیں گے ۔ انسانی ارتقا میں بعض تو محض اپنے جسم کی شکل وشباہت کی وجہ سے انسان دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کی مشابہت یہیں پر ختم ہوجاتی ہے دراصل وہ باطن میں حیوانوں سے کسی صورت بہتر نہیں ۔ بیرونی مشابہت کی وجہ سے لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں ۔ وہ ان سے عام انسانوں سا مہذب برتاؤ کی توقع رکھتے ہیں لیکن وہ درندہ صفت ہوتے ہیں جو اپنے جسم کے لئے خوراک اور دیگر ضروریات تلاش کرنے کے علاوہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے یہ آگ کی بھٹیوں میں لوگوں کو جلاتے ۔ ان کو جیلوں میں طرح طرح کی اذیت دیتے اور بے کس اور معصوم بچوں کو اغوا کر کے ان کے اعضا توڑ کر انہیں بھیک مانگنے کا آلہ بنا لیتے ہیں ۔ یا پھر بیگار کے مرکزوں میں محبوس رکھتے ہیں ۔ انہوں نے اپنے گرد ایک دیوار کھڑی کر رکھی ہے جس میں وہ سانس لیتے اور چلتے پھرتے ہیں ۔ ان میں اور درندوں میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ شیر، بھیڑیئے وغیرہ اپنے کئے پر پچھتاتے نہیں کیونکہ انہیں "فطری معصومیت" حاصل ہے۔ شیر ہرن کا شکار کر کے تاسف کے آنسو نہیں بہاتا اور نہ ہم اسے مورد الزام و ملامت ہی گردانتے ہیں کیونکہ ہم اس سے بہتر سلوک کی توقع ہی نہیں کرتے ۔ لیکن جب کوئی انسان ایسا کرتا ہے کہ درندوں جیسی طبیعت کے تحت دوسروں پر ظلم و تشدد کرے تو ہم اسے انسانی معیار سے ناپتے ہیں ۔ کیونکہ انسان کے سامنے ایک بہتر معیار کا تصور موجود ہوتا ہے اور یہ معیار ہم سب فطری طور پر تسلیم کرتے ہیں اسی لئے ہم بارہا کہتے ہیں کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ۔ یعنی ہمارا ضمیر ہمارے اس فعل کو اس معیار سے ناپ کر ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ ہمارا کردار اس معاملہ میں ہمارے تسلیم شدہ باطنی معیار سے گر گیا ہے ۔ جب ضمیر اس طرح اپنا فیصلہ دیتا ہے اور ہم اس کو قبول کرتے ہیں تو ہم اپنی کمزوری کے باوجود روحانی ارتقا کی طرف متوجہ ہیں ۔

ان سے ایک قدم آگے وہ لوگ ہیں جنہیں نفسانی انسان کہا جا سکتا ہے ۔ ان کا امتیازی نشان یہ ہے کہ وہ جسمانی لوگوں سے زیادہ علم اور ذہانت رکھتے ہیں ۔ وہ نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے دوسرے لوگوں کا استحصال کرتے ہیں کہ انہیں خبر تک نہیں ہوتی بلکہ لوگ انہیں اپنا محسن و مربی سمجھتے ہیں ۔ (آڑھت کی آڑ ۔ ذخیرہ اندوزی) بظاہر وہ شائستہ اور مہذب انسان ، مگر باطن میں کچھ اور ہوتے ہیں ۔

سب سے اعلےٰ قسم ان انسانوں کی ہے جن کو ہم روحانی انسان کہہ سکتے ہیں ۔ وہ خدا اور اعلےٰ اخلاقی اقدار کی جستجو میں زندگی گزارتے ہیں ۔ وہ کامل تو نہیں ہوتے مگر وہ اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جنگ جاری رکھتے ہیں ۔ اس میں کبھی روحانیت غالب آجاتی ہے اور کبھی نفسانیت لیکن ان کی یک دلی اور یک جہتی میں کسی کو شک و

شبہ نہیں ہوتا کہ وہ روحانی ارتقا کی راہ پر گامزن ہیں۔ ان کی مسلسل سعی یہ ہے کہ ان کا روحانی معیارِ زندگی بہتر ہوتا چلا جائے اور وہ خدا اور دوسرے انسانوں کے زیادہ سے زیادہ کام آ سکیں۔

اس روحانی تگ و دو کا علاج قانون سے نہیں بلکہ محبت سے ہوتا ہے۔ جہاں محبت نہیں وہاں طاقت، لفظی تکرار اور بیرونی جائزہ اہم ہو جاتے ہیں لیکن محبّت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایثار اور ہمدردی کو پیش پیش رکھے۔ چنانچہ دنیا میں سب محبّت کی تلاش میں ہیں اور انسانی رشتے محبت کی بنیاد پر قائم ہوتے اور برقرار رہتے ہیں۔ خاندان میں برادری اور سماجی تعلقات میں محبّت کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس کی عدم موجودگی رکاوٹ، تشدّد، تکبّر اور ظلم تک لے جاتی ہے مگر اس کی موجودگی صلح و امن اور خوشحالی کی ضامن ہے۔ اسی لئے سب سے اعلےٰ حقیقت بھی محبّت میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔

اور سب سے اعلےٰ اور انتہائی انکشاف یہی ہے کہ "خدا محبت ہے"۔ اور خدا نے جہان سے ایسی محبّت رکھی ہے کہ الخ۔" محبت زندگی کی بنیادی اور اہم ترین حقیقت ہے۔ بلکہ خدا اپنی کل کائنات کا نظام محبّت کی کشش سے چلاتا ہے۔ "طاقت کا خدا خدا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ایک فوق البشری تخلیق ہے جسے انسان نے اپنی قبیح ترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ وہ ایسا خدا نہیں جو اس وقت ہمارے دلوں میں سکونت کرتا ہے جب ہم محبّت کرتے یا ترس کھاتے یا معاف کرتے ہیں۔ بلکہ وہ تو "قیصرِ مطلق" ہو گیا ہے۔ محبت اور مہر کے خدا کے ساتھ رفاقت رکھنا روح اور سچائی سے عبادت کرنا ہے لیکن طاقت کے دیوتا کے آگے گھٹنے ٹیکنا کفر ہے"۔

بعض لوگ محبّت کو بے راہ روی، بدانتظامی اور بے لگامی، بدکرداری کے مترادف سمجھتے ہیں لیکن حقیقی محبت انسانی رُوح کی شگفتگی، نموری، سعادت اور بلندی و ارتقا کی ضامن ہے۔ اس میں تادیب و تربیت بھی شامل ہے کیونکہ محبّت محبوب کی بہتری اور بھلائی ہی چاہتی ہے۔ (اس ضمن میں ا۔کرنتھیوں ۱۳ باب اور یوحنا ملاحظہ ہوں) اسی لئے محبت میں درگزر اور معافی بھی شامل ہیں۔ مسیحی خوشخبری کی بنیادی خصوصیت کیونکہ الٰہی محبت کی پیش قدمی ہے (پہل ہمیشہ خدا ہی طرف سے ہوتی ہے) اسی لئے ہر انسان جو اس محبت کو مسیح میں قبول کرتا ہے اس بات کو بھی قبول کرتا ہے کہ وہ خدا کے فضل کی بنیاد پر قائم رہ کر دوسروں کو معاف کرے گا۔ مسیحی معافی خداوند یسوع کے خون بہانے سے حاصل ہوتی ہے اور بغیر خون بہائے گناہوں کی معافی حاصل نہیں ہوتی۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے معافی کی عطا اس کی بے پایاں اور بے کراں محبّت کا ثبوت ہے اور انسان کی طرف سے اس کا اظہار اطاعت اور شکر گزاری میں ہوتا ہے نیز دوسرے انسانوں سے محبت اور محبت سے خدمت اور ان کے گناہوں سے درگزر۔ اگر تم دوسروں کے گناہ معاف نہ کرو گے تو آسمانی باپ بھی تمہارے گناہ معاف نہیں کرے گا۔ (افسیوں ۴:۳۲ - ۱۴ اور ۵:۱۲ متی) ۱۸:۳۵ وغیرہ۔

معافی کا یہ مطلب نہیں کہ ہم گناہ کے پھل سے تو چمٹے رہیں اور معافی کی درخواست بھی کرتے رہیں۔ جب میں کالج میں کام کرتا تھا تو میرے ایک دوست کے پاس ایک طالب علم نے آ کر درخواست کی کہ وہ ان کا ٹکٹوں کا مجموعہ دیکھنے

کا خواہش مند ہے ۔ اُنہوں نے اُسے اندر بُلا کر نشست پر بٹھایا اور اپنا البم اسے دیکھنے کے لئے دیا ۔ وہ طالب علم کچھ دیر تک ان ٹکٹوں کا مطالعہ کرتا رہا اور پھر البم لوٹا کر چلا گیا ۔ کچھ دنوں کے بعد میرے دوست کو ایک خط ملا جس میں کچھ اس طرح لکھا تھا کہ جب میں آپ کی ٹکٹوں کا مجموعہ دیکھ رہا تھا اور آپ ساتھ کے کمرے میں گئے تو ایک نایاب ٹکٹ میں نے اُڑا لیا ۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گے"۔ لیکن اس لڑکے نے ٹکٹ واپس نہ کیا ۔ کیونکہ وہ اپنی چوری کا پھل چھوڑنا نہیں چاہتا تھا ۔ اس کے برعکس لوقا کی انجیل ($\frac{19}{1-10}$) میں زکائی محصول لینے والے کا ماجرا قابلِ غور ہے ۔ یہاں بھی ایک شخص نے ناجائز طور پر کچھ حاصل کیا اور جب خداوند کی مقدس رفاقت میں اُسے احساسِ جُرم ہوا تو اُس نے از خود یہ اعلان کیا" اے خداوند ۔ دیکھ ۔ میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں اور اگر کسی کا کچھ ناحق لیا ہے تو اس کا چوگنا ادا کرتا ہوں ۔ یسوؔع نے اس سے کہا ۔" آج اس گھر میں نجات آئی ہے ۔ اس لئے کہ یہ بھی ابرہاؔم کا بیٹا ہے ۔ کیونکہ ابنِ آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے"۔ یہاں احساسِ جُرم بھی ہے اور خداوند سے محبت کی وجہ سے توبہ اور وسعتِ نظری اور خداوند کی اپنی زبانِ مبارک سے مژدۂ نجات و معافی بھی زکائی موجودہ زمانے کے لوگوں اور آج کل کی حکومتوں اور اربابِ بست وکشاد کے لئے ایک حقیقی نجات یافتہ مسیحی کا نمونہ ہے ۔

اس درخشندہ حقیقت کو مٹا سکتا ہے کون؟
ہاتھ میں لے کر کرن تجھ کو دکھا سکتا ہے کون؟

مُسکراہٹ بھی تیری ایسی ہی ہے دل میں رقم
اس محبت کی مسرّت کو چھپا سکتا ہے کون؟

عمر بھر نقّاد بھی سمجھا نہ دِل کے راز کو
کیا محبت کی نظر میں تھا بتا سکتا ہے کون؟

جس خموشی میں فصاحت ہو سوا تقریر سے
مُدعائے دل وہاں تجھ سے چھپا سکتا ہے کون؟

کیا رفاقت ہے نہیں حاجت جہاں گفتار کی
قلبِ ماہیّت ہوئی کیسے، بتا سکتا ہے کون؟

عِلم کی مقدار یا تخمینۂ شوق و وفا
ہاتھ پر انبار ان کا کب لگا سکتا ہے کون؟

(عارفؔ)

یسوع کے معنی آزادی ہیں

ازقلم: جان سلونپ

اس بائیبل سٹڈی کا نفسِ مضمون یہ ہے کہ ہم آزاد، آزادی اور رہائی کے تصورات کا مطالعہ عہدِ جدید کی روشنی میں کریں۔ عہدِ جدید میں لفظ "آزاد" کا اطلاق تین تصورات پر ہوتا ہے یعنی گناہ، شریعت اور موت۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ کتابِ مقدس میں اس لفظ کا اشارہ اس کے اپنے ایک خاص میدان کی طرف ہے جس کا مفہوم ہمیں انگریزی زبان کی "ویبسٹر کی ڈکشنری" سے حاصل نہیں ہوتا۔ ویبسٹر واقعی دینی، معاشرتی اور سیاسی آزادی کا تذکرہ کرتا ہے۔ نیز وہ سمندروں کی آزادی، جہازرانی کی آزادی، اظہارِ خیال کی آزادی، آزادی اشاعت اور سیاسی آزادی، انسانی مرضی کی آزادی اور آزاد خیال کے موضوعات پر روشنی ڈالتا ہے۔ تاہم الفاظ آزاد اور آزادی اُن معانی کو ادا نہیں کرتے جو کتابِ مقدس میں پائے جاتے ہیں چہ جائیکہ ان معانی کا ان الفاظ سے تعلق پایا جاتا ہے۔ ہم پر یہ حقیقت دوران مطالعہ واضح ہوجائے گی۔ اب اگر ان الفاظ کا کوئی باہمی رشتہ نہ ہوتا تو مترجمین ان الفاظ کا انتخاب ہی نہ کرتے۔ مذکورہ اصطلاحات دراصل دو باتوں کی تائید کرتی ہیں۔ اوّل یہ کہ دینی علم المطلحات کا مفہوم دینوی میدانوں کے لئے بھی ہے۔ ہم شاید اس بات کو بھی دریافت کرلیں کہ لادین یا دینوی اصطلاحات میں دینی رنگ پایا جاتا ہے۔ مذکورہ الفاظ آزاد، آزادی اور رہائی کو عموماً فلسفیانہ اور دینی پس منظر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ آزاد خیال کا مفہوم کشادہ دل اور فیض بخش ہے۔ لیکن ایک اور سیاقِ عبادت میں اس کا مفہوم ترقی پذیر، ترقی یافتہ انتہا پسندانہ، وسیع القلب وسیع النظر ہونا، مخلصی دینا اور علیحدہ کرنا ہے۔ ہم دینی آزادی سے متعلق بات چیت کرتے ہیں جو مشنری تحریک میں ایک اہم مسئلہ ہے۔ آزاد خیالی یا حریت پسندی کے الفاظ سیاسی اور علم الہٰیات کے معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ انیسویں صدی کے علمِ الہٰیات کی آزاد خیالی نے کتابِ مقدس کے مطالعہ کے سلسلہ میں تواریخی طریق کو مروّج کیا تھا۔ ہم غلاموں کو ان کی غلامی یا قید سے آزاد کرتے ہیں۔ عورتوں کو ان کی آزادی دی جاتی ہے۔ علم الکیمیا میں اس لفظ کا ایک بڑا ٹیکنیکی مفہوم ہے یعنی چھڑانا یا علیحدہ کرنا۔ بعینہٖ ہندو دھرم اور بدھ مت میں اس کا مفہوم نجات یا مکتی کے ہم معنی ہے۔ اس طرح رہائی کا مطلب رہائی کا عمل یا ایسی حالتِ زندگی ہے جس میں رہائی مل چکی ہے۔ عہدِ عتیق کے دور پر ایمان رکھنے

والوں کے لئے وہ عظیم رہائی ملک مصر سے خروج ہے۔ اس میں سیاسی اور علم الٰہیات کے دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں لیکن علم النفسیات میں بھی رہائی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب کسی شخص کو کسی کام کرنے کی ہچکچاہٹ (خواہ جبلّی ہو یا خارجی موثرات کی پیداوار) سے رہائی دینا ہے جو اس کی قدرتی ترقی میں مخل ہے۔ دنیا کے اس حصّہ کی تاریخ میں اسکا استعمال مفتوح لوگوں کو رہا کرنا ہے جو کسی غیر ملکی قوت یا ریاست کے اختیار یا غلبہ میں ہیں چاہے وہ آباد کاری ہو یا کوئی غیر ملکی مشن۔ لیکن اس کا استعمال ہم معنی رنگ میں غلامی اور خیال پرستی کی غلامی، چاہے وہ دینی ہو یا سیاسی ہو سے آزاد کرانا ہے۔

ہم ان مثالوں سے یہ سیکھتے ہیں کہ یہ الفاظ اپنا مفہوم اپنے سیاق و سباق سے، اپنے فقروں سے، اپنے خیالات یا تصورات کے نئے نمونوں سے، کتابوں اور مضامین سے، جن میں وہ پائے جاتے ہیں، حاصل کرتے ہیں۔ جو یونانی الفاظ آزادی اور اس سے متعلق تصوّرات کے لئے کتابِ مقدّس میں استعمال کئے گئے ہیں بالکل وہی ہیں جو ہم عصر یونانی سیاست، سائنس اور فلسفہ میں مستعمل ہیں۔ یونانی سامعین رسولوں کے وقت میں اور ابتدائی کلیسیا کے دور میں ان کی اپنی ہی تفہیم رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے انجیل مقدّس سے کچھ نیا پیغام حاصل کیا اور یہ الفاظ ایک نئے رنگ میں رنگے گئے۔ اس جدّت کا سارا تعلق واقعاتِ مسیح سے اور ان واقعات کی ترجمانی سے وابستہ تھا۔ ان کا مقصد اس عظیم واقعہ کی ترجمانی کرنا اور اپنے دور اور وقت کے لئے اس کے مفہوم کو ادا کرنا تھا۔ آج ہمیں بھی یہ کام سرانجام دینا ہے۔ شاید ہمیں مسیحی پیغام کی ترجمانی کے لئے اقبالؔ کی اصطلاحات کو استعمال میں لانا پڑے جس سے ہم پیغامِ انجیل کی انقلابی جدّت اور قوت کو بے نقاب کر سکیں۔

ہماری انسانی کیفیّت اور حالتِ زندگی کے لئے مسیحی مثبت نظریہ

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے "آزاد ۔ آزادی وغیرہ" کے الفاظ عہدِ جدید میں اس وقت آئے ہیں جب کہ مصنفین گناہ، شریعت اور موت کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ تینوں تصوّرات لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ایک طرح کا سلسلہ ہے۔ یہ ہماری کیفیتِ انسانی اور نجات سے محروم حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ مجھے اس کی تعریف یوں کرنی چاہیئے۔

(ا) کتابِ مقدّس میں اوّل تو گناہ کا اطلاق ہم پر انفرادی طور سے ہوتا ہے۔ ہم پر بے راہ روی کے لئے انفرادی طور پر الزام لگایا جاتا ہے اور انسانی دل۔ جو انسان کی شخصیّت ہے، موردِ الزام ٹھہرتا ہے۔

(ب) ہم پر شریعت کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ ہم بنی نوعِ انسان کی برادری کا ایک حصہ ہیں۔ چاہے یہ برادری چھوٹی ہو یا بڑی شریعت دیگر انسانوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کو منضبط کرتی ہے۔ ہم پر غلط کاری کے لئے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم ایسے لوگ ہیں جو مقررہ قوانین کے پابند ہیں۔ ان قوانین کو مختصراً کتابِ مقدس کے احکام عشرہ میں بیان کیا گیا ہے

خصوصاً آخری ۶ احکام ہیں۔

(ج) موت کا اطلاق ہماری زندگیوں کی آخرت سے ہے کہ ہم گوشت اور خون کے پُتلے ہیں۔ ہماری جسمانی ہستی سے ہم پر اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ ہماری زندگی کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا۔ گویا ہم فانی ہیں اور ہم مخلوق ہیں۔ خدا نے ہماری زندگی کے لئے زمان و مکان کی قید لگا رکھی ہے۔ ہم ماضی کی پشتوں کی محنت کا پھل کھاتے ہیں اور ہم خود آنے والی پشتوں کے پیش رو ہیں۔ ہماری ہستی کے تین پہلو ہیں اور وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر موجود ہیں۔ انہیں حقیقی زندگی میں کسی بھی طرح جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ کتابِ مقدس ثابت کرتی ہے کہ ہماری زندگیوں کے یہ تینوں پہلو یہ یاد دلاتے ہیں کہ ہمارا کوئی خالق ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے وجود، ہماری برادری اور ہماری فطرت کا تعلق خدا سے ہے۔ جب ہمارے وجود میں کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو ہمارے وجود اور خدا کے رشتہ میں بھی کوئی خرابی آجاتی ہے۔

بعینہٖ یہ اصول ہماری برادری (یعنی خاندان، معاشرہ، ریاست اور نسل انسانی) اور کائنات میں کارفرما ہے۔ چنانچہ احکام عشرہ کے پہلے چار احکام خدا کے ساتھ ہمارے رشتہ پر زور دیتے ہیں۔ اگر یہ رشتہ غلط ہوگا تو دین کے نام پر چند وحشیانہ و بے رحمانہ حالات برقرار رکھے جائیں گے اور آزادی کو کچل دیا جائے گا۔ خدا کی ذات سے متعلق عدم بصیرت کے باعث اس بات کا امکان ہے کہ ایک دینی اقلیت کو بھی کچل دیا جائے۔ میرا مشورہ ہے کہ ہم ان تینوں درجات یا مقامات کا مطالعہ کریں کہ یہ تینوں دائرے متحد المرکز ہیں۔

امر الواقعہ یہ ہے کہ ان تینوں مقامات یا دائروں میں ہم اپنی آزادی کو کھو چکے ہیں۔

اولاً۔ ہم مرکز میں خود فریبی اور جھوٹ کی وجہ سے اپنی آزادی سے محروم ہیں۔ (ملاحظہ ہو یوحنا ۸: ۳۱-۴۰

ثانیاً۔ ہم نے معاشرہ میں کسی جماعت یا ذات یا گروہ کے مفاد کے لئے قوانین (یعنی احکام عشرہ) کی غلط بیانی یا غلط تاویل کی ہے اور انہیں توڑ موڑ کر ان کے کچھ کے کچھ معانی بیان کئے ہیں۔ ہم نے بے انصافی اور فساد کو وجود دیا ہے۔ ملاحظہ ہو خروج باب ۲۰ (نیز پہلا فقرہ بھی پڑھیں)؛ عاموس، زبور ۷۲، لوقا ۱: ۴۶-۵۵ (مقدسہ مریم کا اعلان) لوقا ۴: ۱۸ غریبوں اور قیدیوں کے لئے خداوند یسوع مسیح کا منشور۔

ثالثاً۔ ہم نے مخلوقات کو یعنی زمین اور سمندر کو آلودگی سے اور ملک کو اس کے وسائل اور اس کی آمدنی کے غلط استعمال سے (مثلاً دُنیا میں تیل کے غلط استعمال اور جنگلوں کو کاٹنے سے) (رومیوں ۸: ۲۱) اور جنگ و جدل وغیرہ سے تباہ کیا۔

لہٰذا ان تینوں میدانوں میں "میں اور آپ" شخصی طور سے ملوث ہیں۔ میرا میری ذات کے ساتھ اور میرے پڑوسی کے ساتھ (میں اور تو) اور خدا کی مخلوقات کے ساتھ ایک رشتہ ہے (میں اور یہ)۔ ان تینوں مقامات میں میرا یہ فرض منصبی ہے کہ میں

درستی سے کام کروں۔ یعنی میں مکمل آزادی کے ساتھ اپنی انسانی فطرت اور مقدر کے مطابق چلوں۔ ابھی تک تو ہم نے محض اپنی عدمِ آزادی کا تذکرہ کیا ہے جس سے افراد، معاشرہ اور مخلوقات محروم ہیں۔ اب ہم اس سوال کی طرف رجوع کریں گے کہ کتابِ مقدس کے مطابق کس طرح آزادی حاصل کی جاتی ہے۔

شاہراہِ آزادی ۔ گلتیوں : ۱ - ۱۴، ۲۲ - ۲۵

نسلِ انسانی کی مختلف تحریکوں نے آزادی اور رہائی کے حصول کا وعدہ کیا ہے۔ چند فلسفے اور نفسیاتی علوم مثلاً یونانی فلسفہ، بدھ دھرم اور مسیحیت کے بعض زیادہ روحانی فرقوں نے مکمل طور پر اپنی توجہ انسانی خودی (یعنی قلبِ انسانی) پر مبذول کی ہے۔ دیگر لوگوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ معاشرہ کی طرف متوجہ ہو کر انسانی آزادی کو بحال کیا جائے۔ وہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ اگر سماج یا معاشرہ بغیر فساد کے درست اور تندرست ہو جائے گا تو انسان کی آزادی بحال ہو جائے گی۔ یہ کام ہر نوعیت کے سوشلزم نے سرانجام دیا ہے۔ مثلاً لادین، سائنٹفک سوشلزم وغیرہ۔ دیگر لوگوں نے پورے طور سے مادی اور اقتصادی ضرورت پر زور دیا ہے۔ جب ان کو ایک بار درست کر لیا جائے گا تو دیگر قسم کی آزادیاں خود بخود حاصل ہو جائیں گی اور انسان واپس فطرت کی گود میں آ بیٹھے گا۔

کتابِ مقدس کے پیغام میں ان تینوں پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے۔ اصل آزادی خداوند یسوع مسیح کے عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ مسیح سے متعلق ہمارا تصور بہت کم اہم نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ ہمیں گناہ سے بچاتا ہے۔ وہی ہمارا خداوند اور مالک ہے۔ وہ سب کا خداوند ہے۔ اس کے وسیلے خدا نے مخلوقات کو تخلیق کیا تھا۔ گلتیوں ۵ : ۱ میں بیان کیا گیا ہے کہ "مسیح نے ہمیں آزاد رہنے کے لئے آزاد کیا ہے پس قائم رہو اور دوبارہ غلامی کے جوئے میں نہ جتو" (گلتیوں ۳، ۱۳، ۴ : ۱۴)۔ اسی باب میں پولس رسول لفظ آزادی کے مفہوم کی تشریح و توضیح کرتا ہے۔ ہمیں اس آزادی کے حصول کی دعوت دی گئی ہے۔ طویل غلامی کا اثر ہمیں سُلا دیتا ہے اور ہماری قوت اور پیش قدمی کو روک دیتا ہے۔ یہ غلامی تین طرح کی ہے:۔

۱۔ گناہ آلودہ خودی

۲۔ شریعت اور ۳۔ موت (ملاحظہ ہو تمہید)

خداوند یسوع مسیح ہماری گناہ آلودہ خودی کو آزاد کرتا ہے۔

عدمِ آزادی کے مسئلہ کا مرکزی پہلو یہ ہے کہ ہم اپنے آپ میں مست ہیں۔ ہماری ذاتی تفہیم ہمیں غلط راستہ دکھاتی یا گمراہ کرتی ہے۔ اس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ ہمارا ذاتی نظریہ ہمارا معاشرتی نظریہ اور ہمارا مخلوقات کی دنیا کا نظریہ بھی گمراہ کن ہے۔ خداوند یسوع مسیح اس مسئلہ کو یوحنا ۸ : ۳۰ - ۴۰ میں حل کرتا ہے۔ اس حصہ میں اُس کا

رُوئے سخن ایمان لانے والوں کی طرف ہے (ملاحظہ ہو آیات ۳۰ اور ۳۱) جو نور میں چلنا چاہتے ہیں (۸: ۱۲) انہیں ابھی تک ہدایات اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ابھی تک مکمل روشنی گہرائی تک نہیں پہنچی۔ انہیں ابھی تک اس بات کا علم نہیں کہ وہ خود خداوند یسوع مسیح کے الفاظ کی روشنی میں کون ہیں۔ خداوند یسوع مسیح فرماتا ہے، میرے الفاظ کو اپنی زندگیوں میں اثر انداز ہونے دو۔ ایسی صورت میں تم میرے سچے شاگرد ثابت ہو گے اور تم سچائی سے واقف ہو گے۔ ان الفاظ کا مفہوم آپ کے متعلق سچائی بمقابلہ خود فریبی ہے۔ پھر خداوند یسوع مسیح فرماتا ہے کہ سچائی تمہیں آزاد کرے گی۔ یہ دوسری سچائی خدا کے کلام کی تجدیدی قوت ہے یعنی ان کی زندگیوں میں یسوع کے الفاظ۔ یہ سچائی یسوع مسیح کی قربانی ہے لیکن لوگ خود فریبی کا شکار ہیں (مثلاً نیکودیمس) کیونکہ ان کے آباؤ اجداد ایماندار تھے اور انہیں یہ ظن ہے کہ وہ خود بخود پیدائشی ایماندار بھی ہیں۔ لیکن خدا کے ہاں پوتے پوتیاں نہیں ہوتیں۔ ہم بوقتِ پیدائش مسیحی نہیں ہوتے اگرچہ ہم ایک مسیحی خاندان میں جنم لیتے ہیں۔ ہمیں کلام اور روح القدس سے مسیحی بنایا جاتا ہے۔ خداوند یسوع ان پر واضح کرتا ہے کہ محض اس وقت جب وہ اس کے الفاظ کو اپنے دلوں میں اثر انداز ہونے دیتے ہیں وہ اس حقیقت کو پالیں گے کہ وہ گنہگار ہیں اور انہیں نئی پیدائش کی ضرورت ہے۔ گناہ ہمیں غلام بنا دیتا ہے۔ ہر ایک شخص جو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے گناہ کا غلام ہو جاتا ہے۔ ان ایام میں مروّجہ فلسفہ یہ سکھاتا تھا کہ انسانی شخصیت (خودی) گناہ آلودہ نہیں ہو سکتی۔ انسانی خودی پاک وصاف ہے۔ لیکن خداوند یسوع مسیح ثابت کرتا ہے کہ اگر تمہارے باطن میں محض ایک بدخواہش ہے کہ تم دوسروں کو قتل کرو اور ان سے چھٹکارا پاؤ تو تم اس سے یہ ثابت کرتے ہو کہ تم گناہ کے غلام ہو۔ ہم محض خدا کے کلام کی روشنی میں بے نقاب ہو کر اس سچائی سے واقف ہو سکتے ہیں۔ ہم خود بخود غلامی کی زنجیروں سے چھوٹ نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں یسوع خود ہمارا رہائی دہندہ بن کر آیا۔ لوتھر نے اس نکتہ پر اظہارِ خیال کیا ہے کہ ہم کس طرح ملزم ٹھہرتے ہیں۔ ہم اپنی گناہ آلودہ خودی کی زنجیروں میں مقیّد ہیں۔ اس کے مطابق گناہ کا لب لباب ہماری خودی کی مرکزیت ہے۔ ہم اپنی خودی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم اپنی خودی کی حفاظت کرتے ہیں اور ہم اپنا سب کچھ اس پر مرکوز رکھتے ہیں۔ دراصل ہماری ہستی ہمارے ماحول سے منقطع ہے۔ ہم خدا کے فضل کے لئے شکر کرتے ہیں کہ بہت تھوڑے لوگ مکمل طور سے خود پسندی کا شکار ہیں۔ ایسے لوگوں کو دماغی امراض کے معالج کی ضرورت ہے لیکن غیر نجات یافتہ انسان کسی حد تک خود پرست ہوتا ہے اور یہ تجربہ اسے اپنی ذات اور زندگی اور معاشرے سے متعلق ایک مسخ نظریہ دیتا ہے۔ وہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبّت نہیں کرتا۔ سچائی اُسے اس کی گناہ آلودہ خودی سے آزاد کرے گی۔ یونانی زبان میں سچائی کا مطلب وہ شئے ہے جو چھپی ہوئی نہیں۔ ہم اپنے گناہوں اور جھوٹوں کو چھپانا چاہتے ہیں۔ ہماری گناہ آلودہ خودی کی رہائی کا نتیجہ آزادی ہے۔ یہ آزادی صاف دلی اور خلوص پر مبنی ہے۔ "آپ خدا کے کلام کے لئے صاف دل ہوں۔ آپ اپنی حقیقی ضروریات کے لئے سادگی اختیار کریں۔ آپ دوسروں کی احتیاجوں کے لئے کشادہ دل ہوں۔ آپ مستقبل کے لئے اور دوسروں کے خیالات کے لئے سادہ دلی سے کام لیں۔ ہمیں اُن کے خیالات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ہمارے مطالعہ میں عقلی دیانتداری

بھی شامل ہے۔ ہمیں ناخوشگوار یا ناپسندیدہ حقائق کو چھپانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

خداوند یسوع مسیح ہمیں شریعت کے غلط استعمال سے آزاد کرتا ہے

عہدِ جدید نہ صرف گناہ سے بلکہ شریعت سے آزادی پانے کے خیال کو یونانی زبان کا لفظ ELEUTHERIA استعمال کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: رومیوں ۶: ۱۸، ۲۳، یوحنا ۸: ۳۱-۴۰) شریعت اپنی ذات میں خدا کی پاک، راست اور نیک مرضی ہے۔ شریعت کے وسیلہ سے خدا اپنی مرضی کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن ہم نے اپنے گناہ کے باعث اسے ایک ضابطہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور یہ کس قدر بے تعلق یا غیر جانبدار بن گئی ہے۔ ہماری ہستی میں جس پر ہماری ذاتی راستبازی یا خود پسندی غالب ہے۔ خدا کے نیک قوانین (احکام عشرہ) بے جا استعمال کئے جاتے ہیں اور انہیں خود پسندی اور ذاتی تحفظ یا ذاتی نام ونمود اور خود غرضی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ رومیوں کے نام پولس رسول کے خط کا ساتواں باب اس صورتِ حال کی ایک جامع تصویر پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نیک قوانین ہمیں گمراہ کر دیتے ہیں لیکن خداوند مسیح ہمیں شریعت کے درست استعمال کے لئے بھی آزاد کرتا ہے۔ گلیتوں ۵: ۱۳ میں مرقوم ہے: "اے بھائیو! تم آزادی کے لئے بلائے تو گئے ہو مگر ایسا نہ ہو کہ وہ آزادی جسمانی باتوں کا موقع بنے بلکہ محبت کی راہ سے ایک دوسرے کی خدمت کرو کیونکہ ساری شریعت پر ایک ہی بات سے پورا عمل ہو جاتا ہے یعنی اس سے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ" دراصل یہی مسیحی سوشل اخلاقیات کا خلاصہ ہے۔

جب میں ایک طالب علم تھا تو ہم نے ایک فرض شناس معاشرہ کے متعلق ڈبلیو۔ ایس۔ ایس۔ ایف پیپرز کا مطالعہ کیا تھا۔ ہمارا کتاب مقدس کا مطالعہ عاموس کی کتاب تھی جس پر ہم ہمہ تن متوجہ تھے۔ عاموس نبی بدرجہ اتم سوشلزم کا علمبردار ہے۔ ایک ایسا فرد جو خود پسندی کی شریعت سے دوسروں کے مفاد کے لئے آزاد ہو چکا ہے۔ ایک فرض شناس شخص ہے۔ وہ اپنی آزادی کے لئے متشکر و ممنون ہو کر مسیح کی رہائی کی تحریک میں شامل ہوتا ہے تاکہ دیگر انسانوں کو اور معاشرے کو بھی آزاد کیا جائے۔

خداوند مسیح ہمیں موت سے رہائی دیتا ہے

(رومیوں ۶: ۲۰-۲۱، رومیوں ۸: ۱، ۱ کرنتھیوں ۱۵)

موت ہماری حالتِ انسانی کا حصّہ ہے۔ ہم سب کو مرنا ہے لیکن موت خودکشی بھی ہو سکتی ہے۔ رومیوں ۶: ۲۰-۲۱

میں بیان کیا گیا ہے کہ ہم کس طرح گناہ کے غلام بن کر خودکشی کی سڑک پر سوار ہیں۔ ہمارے لئے یہ کام مشکل نہیں کہ ہم تاریخ اور بنی نوع انسان کی موجودہ صورتِ حال سے اس کی مثالیں پیش کریں۔ ایک غیر مسیحی جرمن فلسفی بنام ہیڈگر نے کہا ہے کہ ہماری ساری ہستی موت سے گھری پڑی ہے۔ مسیح ہمیں موت سے محدود و مجبور ہستی سے بھی رہائی بخشتا ہے۔ یہ مانا کہ خدا ہمارا نجات دہندہ ہے لیکن وہ ہمارے بدنوں کا بھی نجات دہندہ ہے۔ ہم بدن کی قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہماری جسمانی ہستی خدا کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ خداوند مسیح نے اسے اپنے تجسّم میں اختیار کیا یعنی کلام مجسم ہؤا۔ اپنی آمد سے وہ اس حقیقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا کہ نجات اپنے تاثرات میں فنا سے کم حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ روح انسانی، معاشرہ اور کائنات تینوں گناہ اور اس کے نتائج سے بُری طرح مؤثر ہوتے ہیں۔ اس لئے نجات محض روحوں کو بچانے تک ہی محدود نہیں ہونی چاہیئے بلکہ کتابِ مقدّس ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ موت کے بعد ایماندار ابدی خوشی میں داخل ہوں گے۔ اگر ہم ابدی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے تو ہمیں اس بات کی اشد کوشش کرنی چاہیئے کہ جس قدر بھی ممکن ہو سکے ہم اس سرزمین کی اچھی چیزوں سے لُطف اندوز ہوں۔ بھلا کون ان لوگوں کی پرواہ کرتا ہے جو ہمارے بعد زندہ رہیں گے جب ہم ہی نہ ہوں گے۔ آؤ ہم اپنی لکڑی کو اپنی اخباروں اور کتابوں کے لئے استعمال میں لائیں اور اپنے سارے تیل کو اپنی ہی کاروں کے لئے مخصوص کرلیں وغیرہ لیکن جب ہم ابدی زندگی کے متعلق علم رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ کبھی بھی خود غرضانہ نیّت سے اُن سب نعمتوں کو جو یہاں ابھی میسر ہوتی ہیں استعمال میں نہیں لائیں گے۔ اگر ہمارے خدا کا خوف رکھنے والے آباؤ اجداد اپنے سب وسائل کو اپنے دورِ زندگی میں ختم کردیتے تو ہمارے پاس اس وقت کچھ نہ ہوتا۔ ہمیں اپنی محدود ہستی کو جو ہماری پیدائش اور موت کے درمیان پائی جاتی ہے یہ سکھانا چاہیئے کہ ہم خدا کی کائنات کو اعتدال سے استعمال کریں۔ جس طرح کہ ہم اپنی روایات میں روحانی خزائن کو آنے والی نسلوں کے سپرد کرتے ہیں اسی طرح ہمیں چاہیئے کہ ہم اچھے مختار ہونے کی حیثیت سے اچھی زمین کی مادی اشیاء کو آنے والی پشت کے سپرد کریں۔ فرض شناس اور گناہ سے آزاد انسان خدا کی مخلوقات کے قوانین اور ان کی محدودیت کا ضرور احترام کریں گے۔ خُدا چاہتا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کو بھی انسانی طمع اور گناہ، جنگ کے فساد اور آلودگی اور ایٹمی دھماکوں سے نجات دے۔ رومیوں ۸ : ۲۱ میں مرقوم ہے کہ مخلوقات بھی فنا کے قبضہ سے چھُڑا لی جائے گی۔

رہائی پا لینے والا انسان ایک ایسا شخص ہے جسے مسیح نے آزاد کیا ہے تاکہ وہ اس کی خدمت کے لئے کشادہ دل، آزاد خیال فرض شناس ہو اور وہ خدا کی شریعت کا اپنی شخصی زندگی کے لئے، خاندان اور معاشرہ کے لئے، مخلوقات کے لئے اور ہمارے قدرتی ماحول کے لئے احترام کرے۔ ہمیں یہ کام اس لئے سپرد کیا گیا ہے تاکہ ہم خالق کے ان قوانین کو دریافت کریں اور ہم دیگر انسانوں کے ساتھ مل کر مسیح کے ارشادات کی روشنی میں ان کے اخلاق کے ارتقا میں مدد دیں۔ مسیح کے الفاظ دورِ حاضرہ کے لئے پیغام رہائی ہیں۔

مندرجہ بالا مضمون پر چند اہم سوالات

۱۔ آپ کس طرح کتابِ مقدس کے پیغام آزادی و رہائی کو پاکستانی کلیسیا اور معاشرہ میں استعمال کریں گے ؟

۲۔ بتائیں کہ ہمارے معاشرہ میں کون کون سے ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو پیغام آزادی کی مکمل تفہیم میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں ؟

۳۔ کتابِ مقدس کی بنا پر اُن معاشرتی بدیوں کو روکنے کے لئے جو پاکستانی مسیحی جماعت میں پائی جاتی ہیں آپ کیا کیا تجاویز پیش کریں گے ؟

۴۔ کیا یہ کافی ہے کہ ہم معاشرہ کی بدیوں کا انسداد انفرادی تبدیلیٔ زندگی سے کریں ؟ کیا بہتر لوگ ایک بہتر معاشرہ کو وجود دیتے ہیں ؟

۵۔ آپ کا اس مقولہ سے متعلق کیا خیال ہے : "دُنیا کو بنائیں اور اپنی ذاتی تجدید سے اس کام کا افتتاح کریں۔"

۶۔ کیا انفرادی تبدیلیوں کے بغیر معاشرتی تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے ؟

۷۔ ہم کس طرح اس کھچاؤ اور تناؤ پر فتح حاصل کر سکتے ہیں جو ان لوگوں کے مابین پایا جاتا ہے ۔ جو انفرادی تبدیلیٔ زندگی کو افضلیت دیتے ہیں اور وہ لوگ جو معاشرتی اور سیاسی تبدیلی کو فوقیت دیتے ہیں یعنی نسل پرستی کا مقابلہ کرنے کا پروگرام۔ ترقی کے لئے امداد وغیرہ ۔ ہم اس مسئلہ کو کیسے حل کر سکتے ہیں ؟ ۔

۸۔ کیا خدا و ند مسیح سے متعلق ہماری تفہیم بہت کافی ہے اگر ہم اُسے محض گناہوں کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں ؟

۹۔ کیا ہم ایماندار ہیں اگر ہم معاشرتی تبدیلی کے لئے کتابِ مقدس کو استعمال میں لانا چاہتے ہیں لیکن ہم اُسے اپنی شخصی زندگیوں میں استعمال کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

۱۰۔ کیا ہم ایماندار ہیں جب ہم انفرادی تبدیلی زندگی کے لئے کتابِ مقدس کو استعمال میں لاتے ہیں لیکن اُسے معاشرتی تبدیلی اور معاشرتی عمل کے لئے استعمال نہیں کرتے (نہ صرف لفظی اعلانات) ؟

۱۱۔ ہم کس طرح یسوع سے طبقۂ نسواں کی آزادی سے متعلق کچھ سیکھ سکتے ہیں ؟

۱۲۔ دورِ حاضرہ کے مسائل کو حل کرنے کی غرض سے ہم مقدس پولس رسول سے غلامی کو حل کرنے کے سلسلہ میں کیا کچھ سیکھ سکتے ہیں ؟

۱۳۔ بتائیں کہ انفرادی اور معاشرتی رہائی کے لئے مسیح کی بادشاہی کا کیا مفہوم ہے ؟

مترجم :۔ اصغر فضل الٰہی پال

آزادی و اتحاد

———— پیٹرک پرویز آگسٹین

آج کی دنیا یا جس موجودہ دَور سے ہم گزر رہے ہیں۔ ہمیں مختلف مخصی دلانے والے۔ آزادی دلانے والے یا دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں یہ قومیں اُن کو اپنے قومی آزاد کنندہ قرار دیتی ہیں۔

چیئرمین ماؤزے تنگ کو چین کا۔ لینن کو روس کا۔ کارل مارکس کو مزدور طبقے کا، گاندھی جی کو ہندوستان کا۔ فیڈل کاسترو کو کیوبا کا اور افریقہ میں افریقی رہنما فیلڈ مارشل صدر عیدی امین دعوے کرتے ہیں کہ وہی افریقہ کو جہالت، غربت اور یورپی استعماریت سے آزادی دلا سکتے ہیں یا دوسرے معنوں میں وہ افریقہ کے نجات دہندہ یا اُن کو سیاسی اقتصادی و سماجی دباؤ سے آزاد کرانے والے ہیں۔ بھٹو صاحب اور ان کی پارٹی دعوے کرتی ہے کہ وہی پاکستان کو آزاد اور متحد رکھ سکتے ہیں اور موجودہ دور کے سارے بحران جس سے ہمارا ملک گزر رہا ہے وہی اس سے نجات دلا سکتے ہیں۔ مرحوم شیخ مجیب الرحمن دعوے کرتے تھے کہ وہ بنگالی قوم کے آزاد کنندہ اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے والے تھے۔

ان کا دعوے ہے ماؤ اور مارکس کے نظریات اور تعلیمات ہی موجودہ دنیا میں امن، چین اور خوشحالی و اتحاد دلا سکتے ہیں اور موجودہ ظلم، ناانصافی، سرمایہ دارانہ نظام، غربت و اخلاقی گراوٹ سے ہمیں یہ ہی نجات دلا سکتے ہیں اور دنیا میں اتحاد پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن میرے ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ کیا یہ نظریات، تعلیمات و اشخاص دنیا میں مکمل آزادی لا سکتے اور مکمل اتحاد پیدا کر سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ آگے چل کر اس کی وضاحت کروں۔

جب دنیا میں اس قسم کے دعوے کیے جا رہے ہیں تو کلیسیاؤں کی عالمی مجلس یا ورلڈ کونسل آف چرچز نے اس سال اپنی پانچویں مجلسِ عاملہ بمقام نیروبی (کینیا) کے لئے یہی موضوع تجویز کیا ہے۔

خداوند یسوع مسیح آزاد کرتا اور اتحاد عطا کرتا ہے۔

آیئے ہم دیکھیں کہ یسوع مسیح ہمیں کس طرح آزاد اور متحد کرتا ہے۔جب ہم انجیل مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں کئی ایک انقلابی اور حیران کن واقعات کا ذکر کیا ہے جو عام انسانی طاقت سے باہر ہیں (کلیسیاؤں کی عالمی مجلس کے اُردو ترجمے کے کتابچے سے ماخوذ) ہمیں ان سارے واقعات اور تعلیمات کے پس پُشت ایک قوت سے معمور شخصیت کار فرما نظر آتی ہے۔ پُرانے عہد نامے میں اسرائیلی تواریخ میں بادشاہت کے حصول اور غلامی سے آزاد ہونے کی تاریخ ہے۔ وہ آزادی ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ یہ توقعات ایسے ماحول میں اور بھی پُرمعنی بنتے ہیں"۔ جب وہ قوم سیاسی انقلاب سے دوچار تھی اور رومی حکومت سے آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی تھی اُس وقت وہ ایک آزاد کنندہ کی منتظر تھی۔ اور اس آزاد کنندہ کے ہاتھوں بنی اسرائیل گورنمنٹ یا بادشاہت قائم ہونے کے انتظار میں تھے اور ایک بادشاہت کا اعلان یسوع مسیح خود مرقس ۱ : ۱۵ میں کرتے ہیں۔

" اور کہا کہ وقت پورا ہوگیا ہے اور خدا کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ توبہ کرو اور خوشخبری پر ایمان لاؤ"۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کس قسم کا مسیح ہے اور کس قسم کی خوشخبری کا اعلان کر رہا ہے۔ اسرائیل جو رومی غلامی میں تھے اُن کے لئے کس قسم کی خوشخبری اور بادشاہت کے قائم ہونے کا پیغام ہوسکتا ہے۔

پہلا آدم باغِ عدن میں خدا کی نافرمانی کرنے کے باعث خدا کی نظر میں گناہ گار ٹھہرا اور اس کی نظر میں گر گیا۔ خدا اور انسان کا براہِ راست تعلق ختم ہوگیا۔ وہ جو خدا کی حضوری میں رہتا تھا گناہ کی وجہ سے خدا کی حضوری سے نکال دیا گیا۔ پھر گناہ کی وجہ سے انسان اور انسان میں دشمنی اور دوری پیدا ہوگئی۔ آدمی ایک دوسرے سے نفرت اور حسد کرنے لگے اور یہ دشمنی یہاں تک بڑھی کہ بھائی نے بھائی کو قتل کردیا۔ یہ تھا گناہ کا اثر جو انسان کی ابتدائی زندگی کے دنوں میں ہوا۔ حتیٰ کہ گناہ کا یہ اثر انسان میں آہستہ آہستہ سرایت کرتا گیا اور وہ بُری طرح اس کا شکار ہوگیا اور ہر قسم کی برائیوں نے ہمارے معاشرے میں جنم لیا۔ ہماری اپنی موجودہ صدی میں ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں جن کو اس گناہ نے جنم دیا ہے۔

دنیا کو دو عالمی جنگوں کا شکار ہونا پڑا جس میں لاکھوں انسانی جانیں تلف ہوگئیں۔ ہیروشیما کو ایٹم بم کی تباہی سے ہمکنار ہونا پڑا۔ اسرائیلی و امریکی حملوں سے فلسطینیوں، عربوں اور ویت نامیوں کو نیپام بموں سے جھلسنا پڑا۔ لاکھوں بچّوں کو یتیم اور کروڑوں لوگوں کو بے گھر اور بے آسرا ان جنگوں سے ہونا پڑا۔ آج کی دنیا میں مختلف قسم کی خطرناک بیماریوں کی کثرت ہوگئی ہے۔ دنیا کا بیشتر خطہ سخت غربت اور سیاسی بدحالی اور افراتفری کا شکار ہے۔ دُنیا کا رجحان خدا سے دوری اور گناہ سے محبت کی طرف ہے۔ اشتمالی نظریات تیزی سے پھیل رہے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ کوئی خُدا نہیں۔ خُدا مر چکا ہے۔

کیا یہ سب کچھ خدا کے انتظام میں تھا جب اُس نے انسان کو پیدا کیا؟ کیا وہ چاہتا ہے کہ انسان روحانی، سیاسی معاشی و سماجی طور پر دُکھ اُٹھائے؟

ہرگز نہیں۔ یہ سب کچھ انسان کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے۔ کیونکہ اُس نے گناہ یعنی خدا کی نافرمانی اپنی مرضی سے کی۔ اس لئے جب خُدا نے انسان کی یہ بے چارگی دیکھی تو اُس نے خود اس کا علاج کیا۔

" اور اس نے دیکھا کہ کوئی آدمی نہیں اور تعجب کیا کہ کوئی شفاعت کرنے والا نہیں اس لئے اسی کے بازو نے اُس کے لئے نجات حاصل کی اور اس کی راست بازی نے اُسے سنبھالا۔ یعسیاہ ۵۹ : ۱۶

جب خداوند تعالےٰ نے جس انسان کو اپنی شکل پر بنایا تھا اُس کی اس بے چارگی پر نگاہ کی تو اُس نے خود اپنے بیٹے، کلمتہ اللہ و رُوح اللہ کو انسان کی شکل میں مجسم کر کے دُنیا میں بھیجا۔

" کیونکہ خُدا نے دنیا سے ایسی محبّت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تا کہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ کیونکہ خدا نے اپنے بیٹے کو دُنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ دُنیا پر سزا کا حکم کرے بلکہ دنیا اس کے وسیلے سے نجات پائے۔ یوحنّا ۳ : ۱۶ : ۱۷

اور خداوند یسوع نے مزید فرمایا

" کہ خدا کا رُوح مجھ پر ہے۔ اس لئے کہ اُس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لئے مسح کیا۔ اس نے مجھے بھیجا کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں۔ کچلے ہوؤں کو آزاد کروں " لوقا ۴ : ۱۸

لیکن یہ خوشخبری اور آزادی کچلے ہوؤں کے لئے کس طرح ممکن ہو سکتی تھی ؟

یہ اُسی وقت ممکن تھی جب انسان کو گناہ کے بند سے چھڑایا جائے۔ انسان کو شیطان کی غلامی سے آزادی دلائی جائے۔

یہ کام خداوند یسوع نے صلیب پر خود اپنی جان کا کفارہ دے کر اور موت پر فتح حاصل کر کے مکمل کیا تا کہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے وہ ہمیشہ کی زندگی پائے اور ہلاک نہ ہو۔ صلیب، گناہ اور شیطان کی غلامی سے آزادی کا پیغام رکھتی ہے اور گناہ اور موت سے پیدا کی گئی ساری نا اُمیدی سے چھٹکارے یا آزادی کی وجہ بن گئی۔ اور مقدّس پولوس رسول اسی وجہ سے جب صلیب پر نگاہ کرتا ہے تو پکار اُٹھتا ہے۔

" موت فتح کا لُقمہ ہو گئی۔ اے موت تیری فتح کہاں رہی ؟ اے موت تیرا ڈنک کہاں رہا۔ خُدا کا شکر ہے جو ہمارے خداوند یسوع کے وسیلے سے ہم کو فتح بخشتا ہے۔" ا کرنتھیوں ۱۵: ۵۴ - ۵۵ - ۵۷

اور اسی طرح خداوند یسوع نے انسان اور خدا کے درمیان حائل دیوار کو گرا دیا اور مقدس کا پردہ پھٹ گیا اور پھر سے خدا اور انسان میں میل ملاپ پیدا ہو گیا وہ دشمنی ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ اور یہاں تک محبت کا درس دیا کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو اور کسی کا بُرا نہ چاہو۔ اور جتنی دیر انسان انسان سے محبّت نہیں کرتا وہ خدا سے بھی محبت نہیں کر سکتا۔

مقدس پولوس اکرنتھیوں ۱۳ باب میں فرماتے ہیں۔ اگر میں آدمیوں اور فرشتوں کی زبانیں بولوں اور (انسانوں سے) محبّت نہ رکھوں تو ٹھنٹھناتا پیتل اور جھنجھناتی جھانجھ ہوں اور یہ سارا باب محبت کے درس سے بھرا پڑا ہے۔

لیکن معترضین کہہ سکتے ہیں کہ ٹھیک ہے ہم مانتے ہیں کہ یسوع مسیح ایک انقلابی اور آزاد کنندہ ہے۔ لیکن وہ کل بنی نوعِ انسان کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ آج کے دَور کے لئے ماؤ، کارل مارکس اور چی گویرا ہی آزاد کنندہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں تو ماؤ یا دوسروں کے نظریات اقتصادی یا سماجی طور پر ہمیں خوشحال بناتے اور دباؤ کے بحران سے آزاد کراتے ہیں لیکن یہ ایک خاص علاقے یا طبقے کے لئے اُن کی زندگی کے ایک پہلو کو بدل سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بنیادی چیز کیا ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ظلم، دولت کی نامساوی تقسیم، بے چینی، نفرت، جہالت، دُکھ اور مصیبتیں پائی جاتی ہیں۔ اُس کی بنیادی وجہ گناہ ہے۔ جب تک ہم گناہ کا علاج نہیں کرتے اور گناہ کے جراثیم جو ہمارے خون میں اثر کر چکے ہیں ان کے اثر کو زائل نہیں کرتے۔ بیماری وقتی طور پر ختم ہو سکتی ہے۔ دنیا میں صلح، امن و خوشحالی وقتی طور پر قائم ہو سکتی ہے لیکن وہ مکمل اور یقینی نہیں ہو سکتی۔ یہ تبدیلی گناہ کے اثر کو زائل کر کے ہی ممکن ہے۔ نئے دور، نئے معاشرے، نئی دنیا کے لئے نئے انسان کی بھی ضرورت ہے۔ کلامِ مقدس میں لکھا ہے۔

"جو مسیح یسوع میں ہے وہ نیا مخلوق ہے"

اس لئے نئے مخلوق کی ضرورت ہے۔ تب ہی انسانوں میں پائدار اتحاد اور آزادی ہوگی۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب ہماری دنیا یسوع کے آزاد کنندہ ہونے کا اقرار کرے اُس پر ایمان لائے اور اقرار کرے۔

خداوند یسوع مسیح آزاد کرتا اور اتحاد عطا کرتا ہے۔

میری نظروں سے گر اوجھل مسیح اک آن ہو جائے
اندھیرا گھیر لے مجھ کو، جہاں ویران ہو جائے

سکونِ قلب کھو جائے نہ دیکھوں گر تری صورت
میری بے چین دنیا ہی میرا طوفان ہو جائے

اگر پردہ گناہوں کا کبھی ہو درمیاں حائل
مجھے سب روشنی دل کی جہاں سنسان ہو جائے

تیری چشمِ عنایت ہے مسیحا زندگی میری
تسلّی اور مسرّت ہے جو تو مہمان ہو جائے

عطا کر روح کا روغن سدا جلتا رہے یہ دیپ
تیرے دیدار سے عارفؔ کو اطمینان ہو جائے

(عارفؔ ڈسکوی)